

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

वर्ग संख्या.....

पुस्तक संख्या.....

क्रम संख्या..... ७३३



بیشہ طبقہ کے ہنگاموں سے ملک کی تباہی عجیب و غریب حیرت انگیز واقعات مختلف جہانوں کے
 لیڈروں کا دلچسپ مکالمہ زبان اعلیٰ دیجی۔ اگر قصہ سے قطع نہ کی جائے تاہم ادبی حیثیت سے
 کتاب دیکھنے کے قابل ہو گھائی چھپائی نفیس قیمت ۸

سرپیش

فیض پرستی کے ہلکے نتائج۔ اعتبار کی تقلید کا قابل عبرت نتیجہ۔ موجودہ تعلیم اور کار بار تجارت
 کا موازنہ۔ ایک ہندوستانی نوجوان کا ایک یورپین بیٹی سے شادی کرنا اور آخر میں اس
 بیوٹا کے سلوک سے دست حرست ہٹا۔ قصہ کے اور بہت سے اخلاقی نسلخ بھی مکالمہ میں ملے
 ہیں۔ اکل حلال کی فضیلت ذہن نشین کر کے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسکا بڑا غرض اخلاقی پر اجاگر
 ڈالنا ہے۔ قیمت صرف ۸

طاوت زمین

جولیس ورن مشہور ناول نویس کے ایک جغرافیائی ناول کا ترجمہ۔ ارشد تھانوی کے قلم سے جو دل
 آویزی اور زبان کے اعتبار سے قابل دید ہے۔ ایک یورپین بازی لگا کر انشی دن میں تمام
 دنیا کے گرد گھوم آتا ہے۔ اس سفر میں اسے جو عجائب و غرائب دیکھے سب اس کتاب میں
 ناول کے پیرایہ میں درج ہیں۔ گھائی چھپائی نفیس قیمت ۸

اکتار ساجھی

بھوپال کے قریب ساجھی نامی ایک تاریخی مشہور مقام پر وہاں کے مناظر بے حد قریب ہیں بعض
 عمارات اور کنڈرات میں قدیم نقاشی اور فن مصوری کے جو جو نمونے پائے جاتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر
 حیرت ہوتی ہو کر انگریزوں میں کیسے کیسے ماہرین فن موجود تھے بوجہ مذہب کے صدائے گستاخ اور مذاہر
 موجود ہیں جنکے دیکھنے کے لیے امریکہ اور جرمنی تک کے لوگ آتے ہیں اور یہاں کے تاریخی حالات اور
 معلومات سے الامال ہو کر جاتے ہیں۔ اور انکی اشاعت کر کے لاکھوں روپیہ پیدا کرتے ہیں۔
 جناب ارشد تھانوی نے وہاں کی سیر سے لطف اندوز ہو کر وہاں کے تاریخی حالات اور نقش و نگار
 اپنے مخصوص شاعرانہ انداز میں صفحہ تا صفحہ زبان کیا ہے۔ کتاب مصنف کی طبع اور تمام اوصاف
 آتا ہے۔ کاغذ سفید شدہ گھائی چھپائی پسندیدہ قیمت ۸

پتہ: صدیقی بلڈ بوائے ایڈو لکھنؤ

انقلاب قسطنطنیہ

پہلا باب

دو مسافر

۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں ایک دن شام کے وقت فلسطین کی سڑک کے کنارے جو مسجد اقصیٰ کی طرف چلی گئی ہے دو شخص زیر غل بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ کلام سے متفرغ ہو اُن میں ایک کا نام راعز ہے اور دوسرے کا نام ٹھماز ہے۔ ایک ادھیڑ ہے اور دوسرا نوجوان راعز جس کا قیامت خیز شباب عالم سوز حسن تناسب اعضا قدر بہت کی ہے نظیر صنایعوں کا ایک نمونہ جو دونوں ترکیبیاں پہننے ہوئے ہیں۔ ادھیڑ شخص جس کا نام ٹھماز ہے نوجوان سے بولا۔

راعز کچھ ہمیں بتاؤ تمہارے دلی میں کیا ہے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے تمہاری باتیں کچھ مذاق کا پہلو لیتے ہوئے ہیں۔

راہز۔ نہیں جناب۔ میں دلی لگی نہیں کرتا۔ بیچ کتا ہوں۔ اس سال میں غفلت

جانے کا قصد متوی کر دیا ہے۔

طہار۔ اگر تم مکان کا غم فسخ کر رہے تو یہاں بھی تھیں چھوڑ کر جانے والے نہیں۔
راہز۔ میں آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ میرے ساتھ رحمت اودھاؤ بہتر
مکان جا کر اپنا کاروبار دیکھو۔ میرے ساتھ کیوں پریشان ہو گئے؟

طہار۔ اب یہاں رہ کر کیا ہو گا؟ جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ چکے اور جو ہونا تھا ہو گیا۔
خلافت حاکم اسلامیہ اور امانت مقدسہ پر ضرور آفت آنے والی ہے اور وہ کسی
طرح ٹالے ٹل نہیں سکتی۔

راہز۔ رہنے کے اسباب تو شاید میں آپ کے گوشِ مبارک تک پہنچا چکا ہوں
اُس دن مسجدِ قطیف کے مجاور دن کی زبانی جو کچھ سنا ہے اُس سے تو ظاہر ہوتا ہے
کہ چار ہی پانچ ماہ میں فلسطین و شام اور خیریتہ اعراب کے حوالی پر عیسائی قوم کا تلف
ہو جائے گا۔ افسوس شام و فلسطین کا تمام علاقہ انہماک سابقین کا مولود و منشا ہے
اس لیے اسلام نے اسکو مقدس قرار دیا اور معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی منزل قرار دیا ہے
مسجد حرام سے۔ مسجد اقصیٰ قطیف۔ مسلمانوں کا قبیلہ بدر تک رہ چکا ہے اور وہ
اسکی طرف متوجہ ہو کر غارِ بیٹھے ہیں۔ اور یہ نسبت کیا کم سے کہ وہ سر زمین
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دار الحجۃ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دار السلام کا
مولود و مسکن ہے۔ اس لیے اسلامی اخوت اور اُمتِ قائمہ رخصت کے لیے اس
قیامت نیز وقت پر اگر ہر لوگ یہاں ملنا ملنا اور قوم کی جان نثاری کے لیے کچھ بھی
کام کر سکیں تو ہماری زندگی بچھڑ جائے۔ یہ۔ خلافت مسلمانوں کا خاص مذہبی
مسئلہ ہے اس لیے ہمیں کسی غیر مسلم طاقت کی مداخلت مسلمانوں کو بھی روا رکھنے
والے نہیں۔

طہار۔ ماشار اقدس آپ کے خیالات۔ قرآن۔ کیا یہ یحییٰ کی طرح بائیں کر رہے ہو
یہ ایک اہم مسئلہ ہے تھا۔ سچا ہے کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ مسلمانوں نے ان
مسائل کی بابت اپنے احسن خیالات و مبادی و ذمہ داروں سے سفارش
کے قانون تک بھی متعدد بار پہنچا دیا۔ ان اور ان مسائل کے متعلق جس خوش آئند
یقین بھی ہے دورانِ جنگ میں مسلمانوں کی دیکھنی بھی کی گئی اگر اُس کے خلاف

افسوسناک نتائج نمودار میں آ رہے ہیں۔ اس لیے اب کیا ہو سکتا ہے اور تمنا

تم کر ہی کیا کر سکتے ہو۔ ۶۔
راہز۔ گو آپ کا خیال صحیح ہے کہ ہم جو شخص کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتے۔ بھر بھی
اہل فلسطین اور شام کے مغز باشندے اگر دشمنوں سے اپنا ملک بچانا
چاہتے ہیں اور قومی حریت اور اسلامی جذبات کو منتشر ہونا پسند نہیں کرتے وہ
ضرور اپنا مذہبی اقتدار باقی رکھنے کے لیے سینہ سپر ہو کر اٹھ کھڑے ہوں تو تعجب نہیں
وہ ضرور اس بات کے دل سے کوشاں ہونگے کہ مالک اسلامیہ ناماکن مقدسہ
غیر مسلم طاقت کی سیادت یا انگریزوں کی سیادت سے بچا جائے۔ پس اگر ہم لوگ
اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم لوگ بھی ادن کے نیچے دشمنوں کی جماعت میں گھس کر اپنی
موجودگی کا تلوار کے جوہر دکھائیں گے اور ہر طرح اپنے مطالبات کو پورا کرنے کی
کوشش کریں گے۔ اس سے بہت کچھ ملک و قوم کو فائدہ ہوگا۔

طہار۔ یہ تمہاری غلطی ہے کیا تم عیسائی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ کیا تمہیں
معلوم نہیں سر ویل۔ رومانیہ۔ یونان۔ اٹلی جتنی طاقتیں ہیں ترکی کو پامال کر دینے
کی فکر میں ہیں۔ انکی بے شمار فوج کا سیلاب جس وقت اسطراف اناطولیہ
عرب اور شام پر کیا منحصر دیگر ملک اسلامیہ کے باشندے اندر دنی آزاد ی
حاصل کرنے کے لیے خلیفہ المسلمین سلطان ترکی کی سیادت سے نفرت ہو کر غیر مسلم
طاقت کی سیادت کو قبول کریں گے۔

راہز۔ اسپر تو میرا بھی صاف ہے۔ اس سیلاب کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کچھ
انڈونین قسطنطنیہ بھی مصر کی طرح مسلمانوں سے نکال کر ہمارا مذہبی اقتدار دینی
میں ملا دیا جائیگا۔

طہار۔ پھر کیوں دینی جان پر خطرہ لا رہے ہو۔ اگر حیات ہے تو دینی اور دینی
کام کرنا بیسیوں کام ایسے ہیں جن میں ملک و قوم کی ترقی تصور ہے۔
راہز۔ ایسا کام اور کون ہے۔ میں خانہ داری کی ریخیر میں جکر انہیں چاہتا ہوں
گر بھستی کے دھندوں میں میرا دل بھی لگتا ہے۔ میں ایک آزاد شخص ہوں
کیون دینی اقتدار کے قائم رکھنے کے لیے قربان ہو جائوں۔

طہار۔ اس طرح بے ہنگمی جان دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے وطن چلو۔ کسی نہ حسین سے شادی کرو۔ خود بخود خانہ داری کے کاموں میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔

راہز۔ نہیں مشفق۔ شادی کے نام سے نفرت ہے۔ ان بکھرے دن میں اپنے تئیں پھنسانا نہیں چاہتا۔ ہاں اگر بھائی صاحب کی کچھ خبر سے کان آٹنا ہو جائے اس وقت شاید میرے خیالات میں تغیر ہو جائے اور عقد کر لینے کا تہیہ کر لیتا لیکن اب اس بات کا تہیہ کر چکا ہوں کہ جب تک اس ادنیٰ کوئی خبر نہیں ملتی تب تک دنیا کو منہ نہ دکھاؤں گا۔

طہار۔ ایسا تہیہ کر لینا جاہلون کا کام ہے۔ اگر بھائی صاحب کی کشتی حیات بحر فنا میں غرق ہو گئی ہو تو زندہ ہونے اب تک یلٹ آئے۔ آج چار بار بج برس سے جب انکی کوئی خبر ہی نہیں ملی۔ تب انکی فکری کرنا عیث ہے۔

راہز۔ ایک طرح ادنیٰ امید بالکل منقطع ہو گئی ہے لیکن کبھی کسی کی زبانی سننے میں آجاتا ہے کہ انکا خانہ حیات تاریک نہیں ہوا ہے۔ کچھ دن ہوئے کوئی شخص کسی گورنر کو بار میں کیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں وہ انھیں اپنی آنکھ سے دیکھ آیا ہے۔

طہار۔ یہ خبر تو میں بھی سن چکا ہوں لیکن وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر اعتماد تو نہیں جوتا شاید یہ بھی کہتا تھا وہ عیسائی ہو گئے ہیں۔

راہز۔ ہاں یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ اسلام سے انھیں نفرت ہو گئی عیسائی دین قبول کر لیا۔ لیکن عقل تو باور نہیں کرتی۔ وہ اسلام کے سچے پیرو تھے۔ توحید کے قابلِ تثلیث کے ہمیشہ غلام رہے۔ کیونکہ اپنے دین برحق سے تارک ہو گئے۔

طہار۔ درست ہے۔ میں اس بات کو مانتا ہوں۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی شک ہو جاتا ہے۔ یہ بتاؤ تھا یہ بھائی سے اور بیت المقدس میں کسی بیشپ سے کچھ جھگڑا ہوا تھا کیا تم اسکا سبب جانتے ہو۔

راہز۔ جانتا کیوں نہیں۔ بیت المقدس کے بیشپ نے مسجد حرام کی پاک

سرزمین پر سوزنخ کرنے کی نیت کی تھی۔ اسوقت بھائی صاحب بھی سڑے کچھ لوگوں کے روبرو کھڑے ہو کر اس کے ادب و احترام کے تقاضوں میں وعظ کیا تھا اور لوگوں کو آمادہ کیا تھا کہ اس سرزمین میں صحابہ کرام کے مقدس مزار میں اس بے فعل یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ لوگوں نے بڑے جوش و خروش سے قابل احترام و شہرگ زیارت گاہ کو لشب کے اس فعل شیع سے روک دیا۔ لشب دل میں پشیمان ہو کر واپس گیا۔ یہ فیصلہ ہی سے اس سال ہم لوگوں کے ذمہ سرکاری مالکداری کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا۔ لشب دل میں بات لیے وہاں کے قانون گو سے ملا اور اسکی اعانت سے ہم لوگوں کی زمینداری ضبط ہو گئی۔ برتن کپڑے اور دیگر خانہ داری کے اسباب نیلام کرائے گئے۔ برادر اعیسائی نظام غریب مسلمانوں پر دن رات ہوا کرتے ہیں جسوقت مجھے وہ بات یاد آتی ہے بجز کچھ کانپ اٹھتا ہے۔ مگر ہم لوگ تو شرعی نظام سننے کے عادی ہیں۔ کہا جاتا ہے ترک جہان جاتا ہے۔ تباہی اور بربادی اس کے ساتھ جاتی ہے اور جہان وہ قوم رکھتا ہے وہاں آبادیان ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں لیکن یہ بات ہمیں بجز تصویر کا دوسرا رخ کچھ اور ہی کہتا ہے۔

طہار۔ لشب کے اس نظام کی داستان وہاں کے گورنر کے قانون کے تحت نہ ہو چادی۔

راہز۔ بھائی صاحب اسی لیے گئے تھے۔ افسوس مقدر کی برکت سے آج تک بچے ہی نہیں۔ شفیق طہار! جب ہم اپنی ریاست اور امارت کو کھو چکے۔ اس حالت کو بونچ گئے تو اس فقیہی حالت میں شادی کر کے خانہ داری کی زنجیر میں پھنسنا اپنی جان ضیق میں ڈالنا ہے کہ نہیں۔ اس لیے شادی کے نام سے میرے کان کھڑے ہوتے ہیں۔ میں اس بلا میں ویدہ و دانستہ گرفتار ہونا نہیں چاہتا۔

طہار۔ مگر صا جزا دے بغیر شادی کیے کام بھی نہیں چلتا۔ ابھی تھیں راز و نیاز سوز و گداز کی لذت ہی نہیں حاصل ہوئی۔ افسوس۔ یہ بھائی کی دلچسپ صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا برادر عورت اور بال بچوں کی صحبت میں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے۔ خدا تھیں شادی کرنے کی توفیق دے۔

راہز۔ ایک فرمانا جاسے ہے مگر میرے لیے نہیں۔

اس کے بعد اسے چاروں طرف دیکھا اور اسکا اطمینان کر لینے پر کوئی آدمی قریب تو نہیں ہے۔ اسے آہستہ سے کہا۔

راہز۔ سنا ہے یہاں انہیں قحط و ترقی قائم ہو چکی ہے۔ غیور۔ وطن پرستِ محرم انور ایک اس انجن کے بالائی مین اور ایک ایک شجاع اور بامروت اس انجن امید کی جاتی ہے کہ ایسے ہی وطن پرستوں کے ہاتھوں ملک آزاد ہو جائے گا۔ جبر و استبداد کا خاتمہ کیا جائیگا۔

طھارز۔ یہ خیال باطل و دررکھو۔ انور ایک کی حال یہاں نہیں گئی سبھی سمجھے خطرہ ہے کہ مین تم بھی ان سیکڑوں آدمیوں کی طرح جو وطن پرست تھے ظالموں کی حکومت کے عتاب میں گرفتار ہو جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے اسی لیے تمھاری تقاضا یہاں گھیر لائی ہے۔ مفت اپنی جان دیا جاتے ہو۔

راہز۔ مبارک مین وہ لوگ جن کے سروں میں خد و غلی کا سودا سمایا ہوا ہے جو ملک و قوم کی خاطر عزیز جان کی پروا نہیں کرتے۔ کاش ہماری طرح یہاں کے لوگ بھی وطن پرستی کے مفہوم کو معلوم کر لیتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے۔ اور وطن پر فرما رہے ہوتے تو ہاتھ دوسرے خلد برین کی سیر کرے گی۔ اس لیے دنا سے ڈرنا ہی کیا۔

طھارز۔ اس حق کو خدا کے لیے نول سے نکال ڈالو۔ اپنے وطن کو پلٹ چلو یا پسند کرو تو حکومت کے صیغہ میں پھین کوئی عہدہ دیا دیا جائے۔ ماشاء اللہ وہیں ان فاضل آدمی ہو۔ بے شکلف چھو سے کہو۔ اور ایسی حالت سے باز آؤ۔ یہ ایک ایسی روش ہے جو نہایت خطرناک اور نفوسے اس میں بجائے نفع کے ضرر ہے، ضرر ہے۔

راہز۔ محرم دوست! معاف نہ کرو۔ شاہِ راد ترقی پر چڑھنے سے مست رہا مین اسلامی حریت قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ مسلمانوں کا مطالبہ انصاف اور حق پرستی ہے۔ اگر یورپ کی سلطنتیں ہمارے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دو تو انکو یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کو کبھی امن اور صلح کی زندگی میسر نہیں آ سکتی۔

طہار۔ کیا ہم قوم و آدمیوں کے بچیاں ہو جانے سے اسلامی مطالبہ اٹھانے لگ سکتے ہیں۔

راہز۔ ایک اور ایک گیارہ ہونے ہیں ہماری طرح سیکرٹین ہزاروں قوی اقتدار بحال رکھنے کے لیے اس انجمن ترقی و اتحاد میں شریک ہونے اور آئندہ ہوتے جائیں گے۔ اور اسی طرح جب تمام قبوضات اسلامی تلوار کشنیکر اٹھ کھڑے ہونے لگیں تو کیا ممکن ہے جب اس وقت ہمارے جوش و خروش کو کوئی روک لے گا۔ اور ہم اپنے مطالبات پر قادر ہو سکیں گے۔ اس وقت میں بلاک ترک خاندان پر بارے مارے پھر رہے ہیں۔ کیا یہ ہمارا ساتھ نہ دینگے۔

طہار۔ عیسائیوں کی ہزاروں کے سامنے تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔ وہ بحر بیکران ہے اور قطرہ کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ پھر کیونکہ اتنا شمار کارہائے عالم دے سکتے ہو۔

راہز۔ ۶۔ قطرہ قطرہ ہم شہود رہا۔ اسی طرح جب ہماری ضرب کڑوڑوں نے خدا اکٹھا ہو جائیں گے تو عیسائیوں کے دل بادل ہماری آمدنی کی طرح پٹنے والی توپوں کے سامنے سنٹ بھر بھی تو کھٹ نہیں سکیں گے۔ پیارے طہار! اسی مہموروں کی چابکدستی نے جو تصور کھینچ رکھی ہے وہ اس قدر عجیب ہے کہ اس کو دیکر جسم انسان میں خون اڑنے لگتا ہے۔

راہز۔ تمہاری رائے بہت سادہ ہے اسلامی دنیا بچیاں ہو کر ایک ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ مگر سونا ہی تو بحال ہے۔

راہز۔ بچیاں نہ تو کیا کسی ضرور ہونگے۔ جب ہمارے ساتھ خدا کی اوصاف کی گودن پر کند بھری جلائی جا رہی ہے۔ جب ہزاروں سنت و دم ترکی عورتوں جینت اور ضعیفوں کے خون آلود اعضاء دکھائی دے رہے ہیں۔ جب خزانہ آسمان منڈلی سے ترکوں پر ظلم کیا جا رہا ہے تو کیا انہی بے جینی اور اعظابی کا اثر برقی روشنی کی طرح اسلامی دنیا میں ہو چکا حال ہو گا۔ ضرور قوی قیامت میں جو شمس ہو گا اس وقت مہذب دنیا اپنی نام تہذیب اور مشائستگی کے ساتھ اس قسم کے جان گسل نظام کو تمہارت کی نگاہ سے دیکھ لے گی اور ہماری مدد پر تیار ہو جائے گا۔

چاند پور رہا ہے۔ اہا قدرت نے کیا جامہ زیبی عطا فرمائی ہے۔ کم سنی شباب اور اطمین
کار رنگ ہی جدا گانہ ہے۔ بھائی کے سرور اور شرب عشق سے آنکھیں چور ہو رہی ہیں
رخسارے کنول کے پتے سے مشابہ ہیں۔ ات کیسی شیریں آواؤں سے سر نیزہ
سے شہاب کی ہلکی ہلکی رنگت جھلک رہی ہے۔ اسے ہشتی عورت کو کس جرم میں نظر
جنان کو دھونڈ رہی ہے۔ راستہ تلاش کرتی ہے۔ راستہ ملے گا میں تھے راہ
بتا دوں گا۔ سدا ایک بار مسکرا دے تاکہ یہ بزمِ رخسار گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ
ہو جائیں۔ اور تردد انکار کی گھٹائیں جو ترسے گرد چھائی ہوئی ہیں رخ ہو جائیں میرت
سے چہرہ دیک اٹھے۔

راہزنے اپنے دوست گماز کو رخصت کر کے وہ رات تو اسی بیابان میں گئی
دوسرے روز قیودق صحرای خاک چھانتا ہوا بدشکل مسجد حرام کی بستی میں ہونچا
اور ایک مجاور کے مکان پر جس سے کبھی کی شناسائی بھی مقیم ہوا۔
مجاور کا نام علی یوسف ہے۔ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور دیگر اماکن مقدسہ کی
حرمت بچانے کے لیے تمام قصبہ کے مجاور مسجد یک با شائے صلاح کرنے لگے
ہیں مسجد یک با شاصوبہ دار اور ذی اثر شخص ہے۔ زیادہ تر جب کا قیام سالونیک
میں رہتا ہے۔ سالونیک ایک خطرناک مقام بنا ہوا ہے نئے نئے ارکان حکومت
کے خفیہ مجرمانین کا پتہ لگانے اور انکو گرفتار کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔
راہزنے اس مفہوم کو مد نظر رکھ کر تاوقتیکہ اہالیان قصبہ اور مجاور پلٹ نہ
آئیں اپنا قیام تمین رکھیں گے اس لیے کچھ دنوں علی یوسف کے مکان پر
بود و باش کی۔

علی یوسف کے مکان سے تفریح گاہ دور نہیں ہے۔ جس روز سے راہزنے یہاں
آئے ہیں روزانہ ٹہلتے ہوئے اس تفریح گاہ میں جاتے ہیں۔ بود و باش کے متوال
اور تماشا یون کو یہ جگہ ایک نعمت ہے۔ روزانہ شام کے وقت یہاں جم غفیر
جمع ہو جاتا ہے۔ کوئی روشن پر ٹہلتا ہے۔ کوئی بچوں اور سہنگاس کے
قدردانی فرش پر بیٹھا ہوا دوستوں سے باتوں میں مشغول ہے۔ کوئی کھانا کھا رہا ہے
کوئی کچھ کھانی رہا ہے۔ اس طرح شوقین تماشا یون کا دستور ہے روزانہ یہاں آ

اور دوست حاصل کرتے۔

آج رات زیادہ آگئی ہے اتفاق سے تفریح گاہ میں ایک جھنگا بھی نہیں۔
تاریکی زور پکڑے ہوئے ہے اور ب ہر دوستان بیٹھی ہوئی کسی فکر میں آجھ
رہی ہے۔

ہمارا دوست رامز خدا جانے کن کن مشروں کا پانی پی چکا ہے۔ صد اہتمام
کی پیمائش اس کے قدموں سے ہو چکی ہے اور نہ جانے کیا کیا دیکھ ڈالا ہے مگر اس
دستان کے گورے گورے چہرے کی جھلک اور زلف عنبر بار کی مہک دیکھنے
سننے میں نہیں آئی۔ اُسے اپنی زندگی میں بہت سی حیرت افزا باتیں مشاہدہ کی ہیں
آج کی سی تعجب انگیز بات کبھی دکھائی نہیں دی۔ ہزاروں خوبصورت پری جہاں
عورتیں نظر سے گذرتی رہتی ہیں۔ کبھی اسکا پاکیزہ نفس متاثر نہیں ہوا۔ آج جس میں
وجہیل لڑکی بڑا آنکھ پڑتے ہی خواہ مخواہ سراطاعت جھک گیا۔ کیوں؟ شاید
اس کے حسن و جمال میں کچھ معنوی خوبیاں ہیں۔ جن سے اسکو اپنے قلب و جگر پر
قابو نہ رہا۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا ہے اختیار منہ سے نکلا۔

بصورتے توتے کتر آفرید خدا

ترا کشیدہ دست از قلم کشید خدا

یہ متفکر کیوں ہے؟۔ کونسا اسے غم ہے؟ کیوں کسی طرف آنکھ نہیں ڈالتی؟
آسمان پر کیا دیکھ رہی ہے؟۔ رامز کس سے استفسار کرے۔ کون اس کے
سوالات کی گتھیاں سلجھاوے۔ ان معون کو حل کرنے والا کہاں ہے۔ البتہ
اس دوشیزہ سے گفتگو کرنے کی نوبت آئے تو یہ پڑھی ہوئی مشکلیں آسانی سے
حل ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ شرم و حیا کی بجلی ایک اجنبی شخص سے کیوں ہمکلام
ہونے لگی۔ رامز اتھا را یہ منعوہ بالکل بوجہ ہے۔ کبھی کی تم سے شناسائی نہیں۔
ہاں اگر کوئی غیبی فرشتہ آجاتا تو بخاری مشکل کشائی ہو جاتی۔ یہ بھی ناممکن ہے پھر میرا
صبر کا انجام اچھا ہوتا ہے۔

ہمارا دوست رامز دوشیزہ کے بیچ و تاب میں پھنسا ہوا عمیق نظریے اُسے
گھور رہا ہے۔ اور کیا جانے کیسے خطرناک اندیشے دل میں جاگزیں ہوتے

جاتے ہیں۔

کچھ دیر تک دوشیزہ کی نگاہ صحنِ فلک کی مساحت میں مصروف رہی جسکی وہ تلاشی تھی اُسکا سراغ نہ لگا۔ رشتہ رفتہ آسمان کی خاک اُڑاتا ہوا اُسکا سمنہ نظر کسی دوسری سمت جا پڑا۔ دوشیزہ کے ہاتھ میں جست کا ایک سبوجہ تھا اُسے ہاتھ سے زمین پر رکھ دیا۔ پھر اپنے پڑمردہ ہون سے ایک لمبی سانس لی اور آنسو کے دو قطرے اُسکے گلے سے رخساروں پر ڈھلکے جوئے ڈوپٹے کے آئینل پر گر پڑے۔ دوشیزہ نے بڑھم آنکھوں کی تری پڑھی اور سبوجہ کو اٹھا کر نرس کے پانی میں غوطہ دیا اور جا بجا بھر کر اپنے مکان کا راستہ لے۔

اسنے میں کوئی دوسری نرس عمر لڑکی سبوجہ پہے ادسی نرس برائی اور اس دوشیزہ کا آئینل تمام لیا اور سسکا کر پوچھا کیون حیدہ ۹ تم پہلے چلی آئیں۔ میری راہ بھی نہیں دیکھی۔

دوشیزہ نے پلٹ کر دیکھا اور دھرا رنے سے بھی حیدہ کا پیار پیارا نام سن لیا۔ نام کیا تھا آب حیات تھا اُس کے جسم میں ایک طرح کی توانائی آگئی۔ باچھیں فدا کھل گئیں۔

حیدہ نے پھر کمر بنی جواب دیا۔ ارے زہرا تو اب آئی۔ میں سمجھتی تھی آج اپنے نانا جان کے گھر روٹیاں توڑے گی۔ میرے یہاں بھی ایک نانا آئے ہیں۔ کھانا پکوانے کا انتظام کرنا ہے۔ میں نے کہا جیو پہلے پانی لے آؤں۔ پھر چھ کا منہ پھونکوں۔

زہرا نے یاد رکھا۔ پہلے چوٹی سے اب میں بھی تھا کہ پہلے نہ ٹھہرو گی۔ آج میں نے ایک اچھی خبر سنی ہے اب وہ بھی دکھائی۔

حیدہ نے نہ مانو کہ بات سنی ہے۔ پھر یہ سہی آو۔

زہرا نے بتا دی۔ مگر پہلے تم اسکی قسم کھاؤ کہو۔ تجھے چھوڑ کر نہ آؤ گی۔

حیدہ نے۔ تیری قسم کھئی۔ تجھے چھوڑ کر نہ آؤ گی۔ سب چلو گی۔ ساتھ سے لے گی۔

زہرا نے۔ اچھا اسنے۔ آج نانا جان کے یہاں انھارے دہلیز کا ایک سٹے لگاؤ۔

حیدہ نے۔ بس یہی خبر۔ کون اچھی بات ہے۔ زہرا نے شہر کے نہ جانے کتنے شہر لگاؤ۔

ہی آیا کرتے ہیں۔ اس سے ہوتا کیا جو۔

زہرہ - نہیں ہیں ایسا ویسا سافو نہیں ہے۔ ماموں جان نے تمہاری بہت
اُس سے گفتگو کی تھی۔ تمہارے ساتھ رہنے سے تمہارے بہتری وضع قطع اور
بول چال سے پوری پوری واقف ہوں۔ اُس سافو نے تمہارے دیکھنے کے
لیے ماموں جان سے اصرار کیا ہے۔ بڑے اہل بین۔ مجھے تو ظاہر ہوتا ہے جو وقت
نا انا جان سافو ایک سے مراجعت فرمائیں گے تمہارے ساتھ اُس کا عقد کر دیں گے۔
عقد کا نام سنئے ہی شرم و حجاب سے حمیدہ کی گردن جھک گئی۔ جواب دیا۔

پہل دور ہو۔ ایسی بات کہی منہ سے نکالتا ہے۔

یہ کہہ کر حمیدہ نے غصہ بھری آنکھوں سے زہرہ پر دیکھ کر دیا۔

زہرہ ہنستی ہوئی کچھ دور جا کھڑی ہوئی اور مقرر سخن کو بوجہ زبان کو حرکت دی۔
"ہاں بہن! عقدہ شکوک دو۔ ایک کھتی ہوں۔ دیکھو۔ یہ نا۔ ایک دن تمہارا اور اُس کا عقد
میں بھی عہدہ سوا ہو گا اے تمہاری بہن کے!"

حمیدہ نے سر آٹھ کر ٹوٹے بھونٹے الفاظ میں کہا۔

"تمہارے بہن! یہ کہیں چاہے رہتے ہیں۔ سچی کا نام کیا ہے۔ کچھ تھے سناؤ۔"

زہرہ - سنا کیوں نہیں؟ انا طویل سے ہاشدہ ہیں۔ اور میں! تمہارا مکان بھی تو
دور ہے۔

حمیدہ - اچھا۔ خراجہ نہ گا کل اچھین دیکھے ضرور چلیں گے۔ آیا جان کا نام لیتے
شاید انہیں وہ سنا دے۔

زہرہ - میرا کھڑکی سے خیال رہتا ہے۔ کل صبح تو اُس نے وقت اٹھو ٹکی امان سے کہہ دینی
بہن! حمیدہ نے غصہ بھری آنکھوں سے دیکھا۔ "ننگے سر پہ بٹیا ہے۔ دیر نہ ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں۔
حمیدہ - بھئی! رات ہے۔ خیر ہو جیو جیو۔ دیر ہو گئی ہے مگر نہیں۔ رات بھی رات
ہو گئی ہے آج کل کا نام لیتا ہے۔"

وہ فون پر کہتا ہے۔ حمیدہ نے اس وقت کے یاد میں نہیں تھے کہ کچھ مسافر
کھانا اور انا دو دو تین تین رہا تھا۔ وہ دن تو گزرا تھا۔ میں کچھ دیر بعد زہرہ
سے ملنے گیا۔ کہان میں کہا۔

”پیشا بد وہی شخص ہے۔ اسکی اور اسکی صورت بالکل تشابہ کھاتی ہے۔ ویسا ہی چہرہ مہرہ۔ ویسا ہی لاناقد۔ اور وہی ہی ہاتھ پاؤں ہیں۔ حمیدہ۔ (بہت آہستگی سے) میں تو صورت سے نا آشنا ہوں تو نے دیکھا ہے بتا سکتی ہے۔

زہیرہ۔ ہاں مجھے تو وہی معلوم پڑتا ہے۔ اسوقت تم بھی ابھی طرح دیکھو۔ حمیدہ نے چہرہ پر دوپٹہ بٹھا کر انگلیوں سے اجنبی کی طرف بمثل نگاہ اٹھائی مگر شرم سے فوراً ہی پیچھے جھٹک گئی۔

اسوقت رام کی عجیب کیفیت تھی۔ بالین کیا معاملہ ہے؟ کیوں دل بے قابو ہوا جاتا ہے۔ دیکھنا رامز یہ پُر غم وادی ہے اس میں سیکر دون آزادہ باتیں پیدا ہوئی۔ ہاں میں کس کام کے لیے مکان سے نکلا تھا۔ انجن ترقی و اتحاد کے ممبروں کی تلاش میں اپنا شہر چھوڑا اپنے خیالات کی اشاعت میں مارا مارا بھر رہا تھا اپنی جماعت پر بھانے کے لحاظ سے ممبروں کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور کہاں اس جادو و جال نازین نے قلب و جگر تک مسخ کر لیا۔ اب مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ یہ نظر کا مارا ہوں زلف و تاناکا اسیر ہوں۔ مجھ سے ملک و قوم کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس غارت گرنے دین دایمان سب کچھ دیا۔ تیغ پرونے میرے دلوں کو خیر کر رہا۔ نہیں کبھی اسکی طرف رخ نہ کر دینا۔ کیا عقل کھو چکا ہوں۔ مگر مجھے تو اسے اپنا شہر بنالیا ہے۔ اسکی صورت نے اتنا فریفتہ کر لیا ہے یہ بھی نہیں جانتا میں کون ہوں کہاں ہوں خاتمان پر بار تو ہو چکی چکا تھا۔ اب کیا جنگوں کی ٹھیکریاں پھوڑنا ہوا ہے۔ کیا بیماروں سے سر لگو کر انانیت میں لکھ دینا ہے۔ اور شہر کو دیکھ کر اپنے کو کیوں بھولے جاتے ہو ابھی یقین برے برے فریب ادا کر کے ہیں۔ خبردار۔ ہوشیار۔ اللہ اسکی جاہت چھوڑ دو۔ اور جس کام کے لیے پڑا اٹھا یا ہے اسے فراموش مت کر دو۔

چند ہی دنوں کے بعد شہر کا اندازہ مر گیا

اللہ ہمارے ساتھ کے ہمارے سر کے

حمیدہ اور زہیرہ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف نگاہ ڈالی۔ زہیرہ حمیدہ ہنسی کر رہی تھی اور حمیدہ مسکاسمیرا کر بات کا جواب دیتی جاتی تھی۔

حمیدہ بولی - جلو زہرہ دیر ہوئی جاتی ہے - گھر چلین -

زہرہ - اچھا - جلو - کل صبح اٹھنے چاہا ابھی طرح دکھا دینگی -

حمیدہ اور زہرہ اپنے مکان کی طرف لمبی ہوئیں اور یہ نوکر قارہ ام محبت پشیانی
کھونک کر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسین بھرتا ہوا اس ظلمت کی کلمی میں پلٹ کر غائب ہو گیا
زہرہ اور حمیدہ پلٹ پلٹ کر دیکھتی جاتی تھیں - مگر اسکی صورت تاریکی کی وجہ سے
محسوس نہ ہوتی تھی -

تیسرا باب

در بار

مدت سے استنبول پر عثمانیوں کی حکومت چلی آتی ہے اسوقت بھی وہ شاہی شہر
کی حیثیت رکھتا ہے جاہلی شاہی خاندان اور ارکان حکومت کی بستیاں ہیں -
مساجد اور مدارس کی معقول تعداد ہے کسی زمانہ میں قریب قریب استنبول ایک
اسلامی آبادی تھی - یہاں غیر مسلم کم رہتے تھے عثمانیوں کا قبضہ ہونے سے پہلے
یہ استنبول ایک غیر آباد جگہ تھی اکثر وہ لوگ یہاں آکے زمینوں میں مقیم رہتے تھے جو
غیر ملکوں سے یہاں آتے تھے مگر اب زیادہ حصہ یورپین قوموں کا آباد ہے -
جس سے اور بہتر آبادی ہو گئی ہے - البانیوں بلغاریوں کے بہت سے قبائل
یہاں بستے ہیں اور سرگردہ اپنے اپنے سردار کے نام سے منسوب ہے اکثر گزندوں
پر مسلمان مسافروں کو ٹانگا کرتے تھے اس لیے مسیحی سلطنتیں اس بات کی درپے
تھیں کہ وہ مظالم اسلامی حکومت میں ہو رہے ہیں وہ اتنا انتقام مسلم رعایا سے لیں -

مندرجہ بالا قبائل میں سب سے زیادہ سخت اور خطرناک جر جسوں البانی کا گروہ
ہے - مسلمانوں کے لیے بلقان - کے پہاڑوں کی راہ کو انھوں نے دشوار گزار کر دیا
اس لیے انکو محاذ وطن ہو جانا پڑا - اسوقت استنبول میں مسیحی حکومت ہے اور
جر جسوں یہاں کا گورنر ہے - یہ بزرگ ہوا ہے - کچھ لوگ باؤب استادہ ہیں اور
کچھ ارکان حکومت کرسیوں پر بٹے ہوئے ہیں - گورنر سکرٹ پیس میں مشغول
ہے - فوجی لباس زیب تن ہے - سکوت چھایا ہوا ہے - قاعدہ ہے جب تک

جلیل القدر افسر گنگو کا آغاز نہ کرے۔ کسی کا خود گنگو کرنا اب حکومت کے خلاف ہے۔ گورنر نے اپنے چیف سکرٹری کی طرف دیکھا اور کہا۔

تم جانتے ہو کہ امرامیت سے خالی نہیں لیکن انگلستان اور روس کے شاہیوں نے جو فیصلہ کیا ہے اس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ گو یورپ کی حکومتیں اپنے اپنے مفاد کے اعتبار سے مختلف اخیالی ہیں۔ تاہم اس نقص میں وہ سامعی ہیں کہ تمام دنیا خصوصاً یورپ کی قومیں ایک دشمن ہو جائیں۔ اس وقت یورپ تمام براعظموں کا سر تاج ہے اس کی حکومت کا تقارہ تمام دنیا میں پٹ رہا ہے اس لیے ہم بھی اس کے نزدیک نہ ہوں کہ مڑی حکومت یورپ میں جن جن مفادات پر چلی ہوئی ہے ان کے عکس و انکسار کے تقرب میں دی جائے۔ اور رعایا دستور کے قابل ہو جائے۔ عثمانی رعایا اس قابل نہیں کہ اس پر اسلامی حکومت جو شخصی طرز حکومت نے ملک میں خطرہ ڈال دیا ہے اور دول یورپ خالی تحریکات کو مڑی مظلوم سے پانا چاہتے ہیں اس لیے مڑی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے کر ملک کو خطرہ سے بچانا لازمی ہے دراصل مشرقی اقوام عموماً اور عثمانی قوم خصوصاً حکومت کے قابل بھی نہیں ہیں۔

چیف سکرٹری۔ ضرور تسلیم کر لیتا ہوں کہ حکومت کے لیے قابل اور عادل حکمران کی ضرورت ہے اگر پارلیمنٹ قائم ہو جائے تو سلطنت کی اصلاح جلد ہو جائے۔

گورنر نے بہر حال حکومت کی اصلاح ہونا ہے۔ غیر ملکی اصلاح دولت کے ہی خواہ اور بہرہ و فتنہ بن سکتے۔ پارلیمنٹ کی راہ سے ہر کام کرنے سے حکومت کی پابنداری قائم رہے۔ خدا و سر۔ کلچ اور دیگر انٹیلیجنٹ شخصیں قائم کر دی جائیں گی۔ ہر انسان کے تہذیب پر کوئی حق نہیں ہے اور تو مملکت کی ترقی کے لیے جو امور اور فتنے کے۔

چیف سکرٹری۔ مگر ایک ہی چیز مل جائے وہ ہے رعایا میں ہر ایک پر ایک راہ ہے۔ عیسائی قومیں خلیفہ کو صرف ایک صورت میں دیکھتی ہیں اور مسلمانوں کو کئی طرح کے خلیفہ کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں ایک ہی صورت ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں ایک ہی صورت ہو جائے۔

غیر ملکی معلوم ہو رہا ہے کہ عیسائی حکومت کا پھر پر اثر کی کی جان نثار قومیں اور
 دیکھ سکیں اور عیسائی حکومت قائم رہنے دین میں سمجھتا ہوں ایک صدی کی
 متواتر کوششوں اور ہنگامہ آرائیوں میں بھی عیسائی حکومت کے پائون جتنا
 دشوار ہیں۔

گورنر۔ (جر جیس) آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا سوائے دارالعمارہ شاہی یعنی مسطظینہ
 کے ترکی حکومت کی بنیادین بل نہ گئی ہیں عثمانی سلطنت کے حصہ بخرے کر ہی دیے
 گئے۔ صرف ترکی کی رعایا کیونکر اپنی حریت پاسکتی ہے۔

چیفت سکرٹری۔ خداوند اسلطان ترکی کے چار حلیل نقد رافسر۔ انور ہے۔
 مصطفیٰ کمال پاشا۔ نوری ہے۔ اور ناظم بک۔ اپنی پوری طاقتوں سے اٹھ کھڑے
 ہوئے ہیں۔ اون میں قومی اسپرٹ اسقدر زور دار ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان
 ان کے جذبات کے دلدادہ ہو رہے ہیں اور کئی قوم ان کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔
 وہ اسلامی دنیا کی نگاہوں میں سچے قوم پرست بہادر معلوم ہو رہے ہیں اسلئے
 اُنے مسلمانوں کی بہت کچھ دیکھتی ہو رہی ہے۔

جر جیس۔ ہمیشہ ترکی نے اپنی رعایا کے ساتھ تباہ کن بد سلوکی روا رکھی ہے۔
 اس لئے یورپ کے خریہ تباہند کیوں نہ اسکی خیر کلین۔ ترکی معاملات میں
 مداخلت نہ کریں۔ آپ جانتے ہیں فرانس انجیر یا اور مراکش پر قابض ہے۔
 بوسنہ دھر سک ہر یوگوسلاویا کے قبضے میں ہیں۔ یونان نے سلاویک بھین لیا
 ہے۔ اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا ہے۔ مصر انگلستان کے ہاتھ میں ہے ترکی
 املاک و مقبوضات پر جب اسقدر قبضہ ہو چکا ہے تو اب وہ یورپ کیوں خانوش
 بیٹھتے ہیں۔ ارمینیا کو ترکی سے آزاد ہی کر لیا۔ جب اسقدر وسیع ممالک پر عیسائی
 قوم اپنا تقارہ پیٹ رہی ہے تو اب باقی ملک پر کیا ہمارا تصرف ہو سکے گا۔
 مسلمان ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

چیفت سکرٹری۔ اگر خدا نہ کرے کہ میں اسلامی دنیا میں مخالفت کی آگ
 بھڑک اٹھی تو آگسٹا کچھ نا ایک طرح سے بہت مشکل ہو جائیگا۔
 جر جیس۔ جناب عیسائی قومیں حریت پسند ہیں وہ ایسی نفی سے حکومت کرنا

نہیں چاہتیں۔ مسیح کے نام پر شمشیر برہنہ آٹھ لاکھ عرب ہوئے ہیں۔ دیکھ لینا کس
 بیباکی اور آزادی سے مشرقی ممالک میں سلطنت قائم کر دی گئی۔ آتشِ حرب دہکے
 دیکھے کچھ سرج نہیں۔ خون کی دھار سے بچاؤی جائیگی۔
 چیف سکریٹری۔ عیسائی قوم بلا کسی رکاوٹ اور ہنگامے کے ترکی کا دوا
 کرتے یہیری بھی غرض ہے۔ مگر جزیرۃ العرب اور امان مقدسہ اسلام پر قبضہ ہو جانا
 سہل کام نہیں ہے۔ معائنہ کیجئے گا گذشتہ واقعات کی طرف نگاہ ڈالنے سے
 نظر آتا ہے جسوقت عیسائی قوم اسلامی مقامات پر تصرف کرنا چاہے گی
 اسی وقت شیدایان قوم و ملت (تمام دنیا کے مسلمانوں) میں اضطراب اور
 بے چینی کا مادہ پھوٹ نکلیگا۔ اور اپنے مقدس مقامات پر فدا ہونے کے لیے
 ہیار ہو جائیں گے۔ کیونکہ اسلامی دنیا مذہبی جذبات پر مبنی ہے۔
 جرحیں کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، چہرے پر غیظ آگود پینہ جھلک آیا۔ ذرا
 خشکی سے جواب دیا۔

جناب! عیسائی لوگ اس معاملے میں آپ کو صلاح نہیں چاہتے۔ ہر وقت
 بیت المقدس مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ پر چڑھائی کے وقت اگر فوجِ یمن کی ہوتی تو
 اچھا۔ مراکش۔ سلاویک کی نئی حکومتیں جاری ہو گئی یا نہیں۔
 چیف سکریٹری۔ کیوں نہ ہو گی۔ اچھا۔ مراکش۔ سلاویک کی عیسائی قوتوں
 کا خاص نشانہ ہی یہ ہے کہ پہلے اسلامی مقدس مقامات پر داخل کر لیا جائے اور
 مسلمانوں کا شیرازہ توڑ دیا جائے۔ اور ہم جوگ توجان نشانہ میں ہماری خاص
 غرض تو یہی ہے کہ جزیرۃ العرب کو ترکی کے تصرف سے نکال لیں اور اس میں
 صرف عیسائی رہیں۔ کہ۔ دینہ۔ یا حد۔ یمن پر عیسائی حکومت کا پھر ہر اعلان
 نظر آئے۔

جرحیں۔ پس یہی چاہیے۔ ان باتوں کو یمن ختم کرو۔ اور کام کرنے کی
 سبیل نکالو۔

یہ مکرگورنر بادشاہ کا قبائلیہ خفیہ کی طرف بھٹکا اور بولا۔

غسل کا وقت آگیا بعد ازاں بار بار خواست کیا جاتا ہے۔ سر شام آپ بھر

جھوٹے لیے گا کچھ خاص باتوں میں مشورہ دیتا ہے۔ اور ہمارا افسر صاحب بک
بست بٹاؤ فراہم کر رہے۔ وہ ہر طرح طیار ہے۔ شام تک میں کسی کی زبانی اس کے
پاس جگہ کا بابت کمال بھیجوں گا۔

باشکا تب۔ جو ارشاد۔ بہادر صاحب بک شجاع اور اعلیٰ درجہ کا سپاہی ہے
مجھ کو یقین ہے کہ حضور کے نام کے ساتھ تمام تاریخین بہادر صاحب بک کے نام کے
تقریبت کرتی رہیں گی۔

گورنر کو کسی سے ملنا۔ ساتھ ہی حاضرین بھی کھڑے ہو گئے۔ دربار کے اختتام
کی خبر دینے والا انکارہ نہ بچنے لگا۔ جرحیس نے اپنے خیمہ کی طرف مراجعت کی جعفرین
بھی ٹھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے اپنے ٹیمپ کو آئے۔ دربار کا دروازہ بند ہو گیا۔

باب ہوتا

مرشد سے ملاقات

رات کے وقت مسجد حرام کے وسیع میدان کے قریب کسی رفیع الشان عمارت
کے پائین باغ میں ایک طویل اقامت عیسائی ٹہل رہا ہے۔ آسمانی سطح ماہ دہشتہ
کی ضیاء سے منور ہو رہی ہے۔ زمین پر چاند کی صاف پتھری اور بلاشک جاندی لہجی
ہوتی ہے۔ باغ میں رنگ رنگ پھول کھل رہے ہیں شمیم عنبر پیری لپٹ سے
دیباغ محض ہو رہا ہے۔ نوجوان چہل قدمی میں مصروف ہے کہ اتنے زمین کسی کے گمانے
کی آواز سے کان کے پردوں کو ہلایا نوجوان عیسائی اس دلکش آواز سے متاثر ہوا
زیر غفلت ایستادہ ہو کر اس نغمہ کا لطف اٹھانے لگا۔

کچھ دیر ہی کیفیت یہ رہی۔ گانا بند ہو گیا اور نوجوان کسی کے انتظار میں ادھر ادھر
تلیے لگا۔ اتنے میں باغ کے گوشے سے ایک شکل سفید کپڑوں میں لپیٹی ہوئی
نکلنے لگی اور آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ نوجوان دیکھنے ہی بیتابی کے ساتھ اس سے ملا
ہو کر سوال کیا۔

نوجوان نے۔ کون ہے، ہر شخص۔

نام سنئے ہی وہ انسانی شکل ذرا تیزی سے اور آگے بڑھی پہلے آئے کوئی شناسا

کا لفظ استعمال کیا پھر نوجوان کے سوال کا جواب دیا۔

خداوند مرضی ہی ہے۔

مرضی ایک کافری خواجہ سرا ہے۔ اسکی آواز سنتے ہی وہ نوجوان اور بھی اضطرابی کے ساتھ آگے بڑھا۔ قریب پہنچتے ہی آواز دی۔
اُس ترک سے کیا تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ یقین دیر لگنے سے مجھے بہت اندیشہ تھا۔

مرضی۔ پیر مرشد! سخت پریشانی اٹھا نا پڑی۔ تب کہیں پتہ لگا۔ غروبِ آفتاب میں اُسکی تلاش میں لگا۔ میں نے تمام اسلامی درگاہوں کی خاک پھانی اُسکا نشان تک نہ ملا۔ مجبور ہو کے مسافروں کے اُسکی راہ لی وہاں بھی جا نا بیگار ہی ہوا۔ کوئی بت نہ ملا حیران و پریشان باہر بھاگتا قصرِ بلدر کو بلٹ رہا تھا۔ اسنے میں قصر میں صغیر کی مسجد کے احاطے میں زیرِ نخل کھجور ایک شخص چادر سے لپٹا زمین پر سوتا ہوا دکھائی دیا۔ غلام اُسکے قون ہو گیا متواتر آواز دینے پر اُسکی آنکھ کھلی اور وہ اضطرابی کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ میری اُسکی آنکھ چار ہو گئی۔ میں پہچان گیا یہ وہی ترک ہے جسکی فکر میں حضور کئی روز سے لگے ہوئے ہیں۔

ترک کے حالات سننے کا وہ نوجوان بہت ہی شاکت تھا۔ مرضی کی لمبی چوڑی تمہید سننا اُسے ناگوار ہو رہا تھا۔ گفتگو ختم ہونے پر اُسے سوال کیا۔
"خیر۔ ان باتوں کو رہنے دے۔ یہ بتا دہ ساتھ آیا ہے۔ اور آیا ہے تو وہ کہاں ہے۔؟"

مرضی کو طول طویل جملے استعمال کرنے کی بہت بڑی عمارت ہے۔ چاہے کیسی ہی بات کیوں ہو؟ وہ بلا کسی مبالغے اور دو چار جملے فضول استعمال کیے باز نہ آتا تھا۔

مرضی بولا۔ خداوند۔ ساتھ حضور ہے مگر دل سے نہیں آیا۔ وہ ترک نہایت بدلتا در شریک النفس ہے۔ کتنا قہارین تر ہے بادشاہ کے صف میں پیشاب کرتا ہوں۔ میں نے حضور کا نام نامی لیا اور کہا۔ جا رہے۔ سردار نے آپکو یاد کیا ہے۔ اسنے جواب دیا۔ جا اور کہہ دے میں اٹھتا ہوں نہیں ہوں۔ بدبشر! فرحت کسی دن ملے گی۔

اپنے کام کے وقت میں کسی کی نہیں سنتا۔ فردی نے لاکھ بھجھایا بھجھایا اور کہا میرے ساتھ چلو گے تو بہت کچھ انعام پاؤ گے۔ مگر وہ خود پرست کسی طرح رخصتی نہوا۔ ناچار غلام نے دھکیان دینا شروع کیا اور کہا میں تیری عزت بگاڑ دوں گا۔ تب تو وہ جبر پڑاتا ہوا میرے ہمراہ ہویا پھر دریا کے کنارے آگے بولا پھر جا تھوڑا پانی پی لیا۔

نوجوان اس بے سرو پا گفتگو سے منحرف ہو گیا جھلا کر بولا۔

اس قدر غل کیوں مچاتا ہے۔ اس وقت ہے کہاں؟ جلد سامنے حاضر کیے۔

منحرف نوجوان کی جھلاہٹ سے بہت دلگیر ہوا جواب دیا۔

”بیان ہے۔ اسی باغ میں ہے۔“

ترک کو اپنے ہمراہ نہ لانے کا بھی سبب تھا وہ جانتا تھا کہ جبر و خوں کے بیچوں محل کے باغچہ میں کوئی مرد نہیں آسکتا۔ اور اسی سے وہ درد اڑے پر گوسکو چھوڑ آیا تھا۔

منحرف کا جواب سن کر نوجوان عیسائی کو کسی قدر طیش آگیا مگر ضبط کیا بچھا۔ ہاں۔ یہی۔ اسی باغ میں۔ وہ شخص تجھ سے ہزار درجے ایماندار اور قابل اعتبار ہو۔ منحرف آہستگی کے ساتھ ”یا خدا“ کہہ رہا تھا کہ وہ دروازہ کی طرف بے بیجے قدم قدم رکھتا ہوا چل دیا۔

وہیں کھڑے ہوئے نوجوان عیسائی نے ایک مرد آدھری اور آسمان کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

”میرے عمن! میرے مرشد! امکان ہے آپ میری زندگی سے بااوس ہو گئے ہوں کیونکہ مدت سے آپ کی زیارت سے فیض اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ میری حیات کی امید منقطع ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ میں سے جدا ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں کارناہ جب میل آجاتا ہے اور آپ کے وہ خوشگوار افسانے جو اکثر تعلیم کے وقت سنایا کرتے تھے یاد آجاتے ہیں دل بہت ہی سب قابو ہوتا ہے اور حریت کا مادہ زور پکڑنے لگتا ہے۔ آپ ہی کی توجہ سے حریت کی وادہ اور وطن پرست جماعت ایک وسیع پیمانے پر مرتب ہو گئی ہے اور اس میں

کامیابی کی صورت نظر آ رہی ہے یقین ہے کہ ہم منزل مقصود تک باسانی پہنچ جائیں گے۔ اور چار اہم مقصد غیر غورائیزی کے حاصل ہو جائے۔ لیکن ہمیں عیسائی اقوام ہمارے خون کی پیاسی جو رہی ہے وہ بھی اس بات کو روکنا دیکھ کر کہ ہماری رعایا اس کے قابو سے نکل جائے اور کعبہ شریف - مدینہ منورہ اس کے زیرِ نگیں نہ رہے۔ ہمارے جو اسلام کو خیر کا قابل ہے۔ وہاں پیر و ان تہلیل کا تقارہ ہے گا کیونکہ اسلامی دین قائم رہے گی۔ اور کیونکہ مسلمان اپنے مذہبی اہل حق اور اگر نیک یہ کہہ کر نوجوان نے پھر ٹھنڈی سانس بھری اور فکر و اندیشے سے دو اسے میں غوطہ کھاتا ادھر ادھر ٹپٹنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مرض اس ترک کو ساتھ لے کر نوجوان کے روبرو کھڑا ہو گیا ترک کا رنگ گورا۔ بدن ڈبلا تھا۔ عمر ساٹھ برس سے بڑھ چکا اور زکریا علی بنی - میر بر بال ندارد لیکن ریش تاب و نازت لگی ہوئی۔ کپڑے بہت سستے تھے۔ ہاتھ میں سیم تھی۔ دو پہر رات کو مسلمانوں کے دشمن عیسائی اقوام کے کٹر لشکر کی آمد سن کر اسکو بڑی فکر و اس میں گیسر ہو گئی۔ اسوقت بھی نوجوان کے سامنے ٹھک ہونے پر اسکا جسم کانپ رہا تھا۔ مرض کے ساتھ ترک کو دیکھ کر اس نوجوان کا اشارہ مرض کو رخصت کر دیا۔ ترک بولا۔

خدا جلالت پناہ کو تاحدوسی سال سلامت رکھے۔ حکومت کا دور دورہ ہو میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ ایک غریب مسلمان ہوں۔ مجھے کیوں پکڑو؟ بلایا۔ سب جھک کر چھوڑ دیجئے۔

نوجوان - آپ کسی قسم کا اندیشہ نہ کریں اور نہ کوئی خوف کھالیں۔ آپ پر سختیات روا نہ رہی جائیں گی صرف دو چار باتیں دریافت کرنا ہیں اسی لیے آپ کو تکلیف دی گئی ہے اگر اجازت ہو تو میں آپ کے قدم مبارک کی خاک لیکر پیشانی پر مل لوں۔ تاکہ میرے دینی تقدس میں کچھ برکت ہو۔

خاک قدم کا حفظ سننے ہی وہ ترک قدم قدم لے کر آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ جن جن اندیشوں سے دماغ لگی ہوئی رہا تھا آئین اور عجمی اعلانہ ہوا۔ یہ خیال تھا کہ جو خدا کے تخت سے عیسائیوں کا کوئی جلیل القدر افسر ہے۔ اور پھر سے یہاں کے

اندرونی حالات پوچھنا چاہتا ہے۔ ضرور یہ ہمارے مجددوں کی توجہ لینے آ رہا ہے۔ ایک عیسائی کو مسلمان کی خاک قدم لینا چاہی۔ یہ لوگ اپنے اسی طرح آدمیوں کو اپنے اخلاق سے خوش کرتے ہیں۔ پھر شور و غیرہ کا حرام گوشت کھلا کر اسکا دینا بدترین ترک ہے۔ ہاتھ پھیلانے لگا۔

آپ امیر آدمی ہیں ہم غریبوں کے قدم چھونا کسی حالت میں زیریا نہیں ہیں۔ حضور کی کسر شان ہے۔ دوسرے ہمارے پائوں میں جو ایات میں بیوست ادھر گیا ہے آپ کی نازک انگلیاں پھل جائیگی۔ بان دھاکتا ہوں خداوند عالم آپ کا ولی بالارکھے اور آپ کی حکومت کا آفتاب دنیا بھر میں درخشاں رہے آپ کی قوم ترقی کرے اور قدرت ہے جاہ و منال عطا ہو۔

نوجوان۔ (مسکرا کر) میں آپ کی دینی تقاضہ سمجھ گیا۔ میں عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہوں۔ آپ خیال کرتے ہیں کہ میرا ہاتھ لگنے سے آپ کا جسم ناپاک ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی بات ہے۔

ترک کی زبان ترک گئی کچھ جواب نہ دے سکا۔ کچھ دیر سکوت کا عام طاری رہا اور پھر زبان کو حرکت دی۔

ترک۔ نہیں جناب۔ یہ بات نہیں ہے۔ ہم اور آپ دونوں ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ انسانوں میں ان باتوں کا تعلق نہیں ہو چکا ہے۔ یہ تو ایک قسم کا تعصب ہے۔ اس سے کبھی برکت نہیں حاصل ہو سکتی۔

نوجوان۔ آپ پیر و شفیق اور درویش باخدا ہیں۔ میں گنگا رسلمان ہوں آپ کا مقدس پھر چھوئے گئے کچھ کوئی حق نہیں ہے۔ یہ بات بتاؤ کہ قبل غیب فتا آپ چوک باز رہے تھے جو سب علم نجوم سے کچھ حرا سب گارے تھے اس وقت کسی پاس کھڑے ہوتے مسلمان سے آپ نے کہا تھا تمہاری قوم ہر حالت میں تلبیت نازل ہونے والی ہے کیا اس کلمہ کا ایک دھیان ہے۔

ترک۔ جناب! روز پھر میں خدا جاسے کتنی باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں کل یاد تو ہیں، سائیکس۔ ان کچھ کچھ خیال آتا ہے ایک مسلمان فرد پر سے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اور اس سے کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں۔ مگر یاد نہیں کس قسم

ذکر وادکا رہے۔

نوجوان۔ آپ اُسے کبھی پہنے بھی دیکھا تھا۔

ترک۔ نہیں صاحب! میں نے کبھی نہیں آیا۔ یہاں کسی عورت سے آگاہ نہیں البتہ اُسکا چہرہ دیکھنے سے ضرور دل بہ چوٹ پڑتی ہے۔ شاید اُسے کہیں دیکھا ہے۔

نوجوان۔ کہاں دیکھا ہے۔ کچھ خیال ہے۔

ترک۔ یہ نہیں جاسکتا غریب مسلمان ہوں کسکول گدالی ہاتھ میں لیے شہر بھر پھرتا ہوں۔ کہاں گئے دیکھا ہے کہیں وہیں نشین رہ سکتا ہے۔

نوجوان۔ آپ درویش باخدا ہیں۔ گداگر نہیں ہیں آپ کے لیے اللہ تر ہر جگہ اعلیٰ ترین سامان بھر بیوٹا سکتا ہے۔ جنگل میں بھی منگل ہے۔

ترک۔ غریب اور فاقہ کش آدمیوں کو آپ ایسے سخی یا ذل انتخاب مل ہی جاتے ہیں۔ انھیں سے ادنیٰ شک پوری ہوتی رہتی ہے اور اسی سے وہ کسی سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ ہم لوگ مولوی ہیں آپ لوگوں کے پادری کی طرح مسلمان بچوں کو انجیل مقدس کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ آپ کے اسکولوں میں انجیل کا درس لادتی ہے اور ہمارے مکتبوں میں قرآن شریف پڑھانا فرض سمجھا گیا ہے۔ آج چار پانچ سال ہوئے میرا شاگرد اسی شہر میں آ کے کھو گیا اُسے میں اپنے رشتے کی طرح چاہتا تھا چنانچہ اُسکی تلاش میں اس جوار میں بھی آنا پونگیا۔

نوجوان۔ کچھ پتہ لگا۔

ترک۔ آج ہی دوپہر کو بیان آیا ہوں۔ یہ وسیع شہر ہے اُسکا سراغ لگنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ آپ جس مسلمان شخص کا حوالہ دے رہے ہیں اُسکا چہرہ مگرہ نہیں ہے نہ کسی تلاش میں سرگردان اتنی دھڑلائی آیا ہوں لیکن توہم آسکے علم پرورد مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہے۔ اور جتنا کہ ہم نہیں سکتا۔

آپ کی آواز ابھی اس نوجوان کی آواز سے تشابہ کھاتی ہے۔

اس جگہ میں خدا بچائے کہاں کا سحر تھا کہ نوجوان عیسائی متاثر ہو کر نہ

قدون پر گر پڑا۔ ترک نے اٹھا کے بدقت اسے گھڑا کیا۔ اور پوچھا کچھ اپنے حال سے
آگاہ کیجئے۔

نوجوان۔ پیرم شدہ کچھ زیادہ مدت نہیں گئی۔ آج پانچ سال آدھ جو بد قسمت
مسلمان آپ کی خاک قدم چھوٹا تھا اور شرف تعلیم سے بہرہ اندوز ہو رہا تھا اور آج ہی
غروب آفتاب سے پہلے جس سے فرمایا تھا کہ تم پر مصیبت آئے والی ہے وہی بد نصیب
مسلمان عیسائیوں کے چھند سے مین پھنسل کر غلامی عزت پر پانی پھیرے والا اسلام
کے پاک مذہب سے تارک ہو گیا۔ افسوس بے دین ہو کر قوم کو ہر بلاد کرنے والا بچا
قرآن کے انجیل کی آغوش قائم کرنے والا۔ توحید کے نام کو مٹانے والا عیسائیوں
کے ٹوٹے پلاہوا صائب بک مین ہی ہوں۔ آگے نہ کہا گیا ہے چھم دریا بار سے ہٹون
کی چٹھانی ہوئی۔ روتے روتے حبیب و دامن تر ہو گئے۔

نوجوان باتن کر رہا تھا اور ترک جو بیت کے ساتھ ان باتوں کو سن رہا تھا
سردار صاحب بک بے دین ہو گیا وہ اسے وطن پرستوں مین جو روح پیدا کی تھی وہ
کمزور اور ضائع ہو گئی۔ آہ حصول عدوت اور دین کے لیے ہم جو کوشش کر رہے
تھے وہ اسی محترم کی پیدا کی ہوئی روح تھی اسے تو ملک و قوم پر بڑے بڑے
احسانات کیے تھے۔ اسے خدا اکیا وہ یہیں تک ختم ہو گئے۔ افسوس اب ہم
خطرات کو پیش نظر رکھیں گے کسی کے مواعید پر بھروسہ کر لینا بھی سراسر جہل ہے
جس طرح اسے اپنی زندگی عیسائیوں کے چھند سے مین پھنسل کر غلام کر دی تھی
نہیں دیگر شہداء وطن اور قوم پرست اشخاص عیسائیوں کے جال مین پھنس
جائیں اور قوم کا نام مٹا دیں۔ ہمارے اسلامی شیرازہ شکست ہو گیا اسکا قتل پڑائیں
حیث اب ہم کس کی تقلید کریں جسکا نام لے دینے سے عیسائیوں کے روتے
کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ وہی صاحب بک آج عیسائی بن گیا۔ کچھ دیر تک ترک
کی زبان انھیں منصوبوں مین بند رہی پھر سوچا۔ اس نوجوان کی باتن کچھ فوسی معلوم
پڑتی ہیں۔ عیسائی جماعت جو کثرت مسلمانوں کو دیکھ کر اسی طرح کا مذاق کیا کرتی ہے
اُس طرح ترک نے پھر سلسلہ سخن چٹانی کی۔

ترک نے کرٹل صاحب باپ آپ کیا فرماتے ہیں آپ امیر باتو قریب مین جس کی

تلاش میں اس طرف آیا ہوں وہ آپ نہیں مین وہ ایک مفلس غلام مسلمان کا لڑکا ہے وہ صاحب بک کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسے تو لوگ صاحب صاحب کہا کرتے تھے۔ صاحب بک نوجوان بچہ تھا۔ اوتھا اور وہ زانو ہٹھکھٹاتا۔

پیر و شنبہ یہ بد نصیب در حقیقت یہی صاحب ہے۔ یہی ان کے دو بڑے بھائی ہیں اور دیگر کئی مسائل کا درس کیا کرتا تھا۔ یہ وہی گنگا وہ ہے۔ اکثر غسل کے وقت بھی تھوڑے کھنٹے طور کے لیے کھنٹے پر سے جا یا کرتا تھا اور رات ان قدموں کی خاک لے کر چشم و جبین پر ملا کرتا تھا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی بھی درس لیتی تھی۔ حضور کو یاد ہے گا۔

زیادہ کہنا نہ پڑا۔ لڑکی کا نام سنتے ہی ترک کے قلمب دھگر برنگری چوت پڑی آنکھوں سے آنسوؤں کے ترپے بہنے لگے۔ پوچھا۔

ترک۔ بیٹا۔ صاحب بک اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری غیرین نال اور جھولی جھولی باتیں جب بکر چھانے پر رہے یاد رہیں گی۔ شام کو جس وقت میری نظر تھا رہ چہرے پر بڑی دن بول اٹھا یہ عیسائی نہیں۔ صاحب نہ کا ہے۔ جو چہ زیر تعلیم تھا۔ مگر نہ رہا اس اور روش دیکھ کر کچھ کہہ نہ سکا۔ اس وقت بھی جب تم گفتگو کر رہے تھے۔ وہی آواز اور وہی رنگ وہی صورت جو عین میں زیر نگاہ تھی آنکھوں کے سنے پھر گئی۔ لیکن یہ کیا صاحب کا نام صاحب بک کیونکر ہو گیا جس کے نام سے مسلمانوں کو تھیلکت تھی۔ آج وہ عیسائی کو یوں ہو گیا۔ اکثر سننے میں آجاتا تھا وہ اب عیسائیوں کے گھر زمر میں کا ملازم ہو گیا ہے کسی جلیل منصب پر فائز ہے گورنر ہے بہت بڑا کرتے ہیں آج وہ باقیں اصحیح حکوم ہوتے ہیں۔

صاحب بک۔ یہ وہی ہے۔ آپ اسے اجرام ہو گیا ہے یہ نظر دیکھ کر دیا تھا انسان چاہے جتنی خوشش اور تیرہ کیسے شہر کے محلے کو کوئی نہ مانوس سکتا۔ کہ میں چلے ایک دیدار مسلمان تھا روزہ نماز کا پابند اور آج مذہب سے تارک ہو کر دینی مقدس کتابوں کو حضور نبی کریم کے پیروں کا قائل ہو گیا۔ یہ اسے قرآن کے انجیل کا پیرو ہو کر اپنے دین کی بیگنی کرے گا۔

ترک۔ کیا عیسائی گورنر کے گھر و تھالی سے عیسائی ہو گئے۔ کسی کسی کی زبان

نویسے میں آیا ہے کہ لاجپت کپڑوں کے پیر چین تم نے اپنا دین کھو دیا۔
 صائب - یہ جتنی باتیں میں گڑھی ہوئی ہیں - میں اپنی داستان آپ سے
 کہہ گا۔ کیونکہ میسالی ہوا - میری زندگی دن رات طرح طرح کے تفکرات میں
 گھری ہوئی ہے جسم کے اندر ایک چگاری ہے جو ہر وقت سلا گارتی ہے اس وقت
 آپ کی صورت دیکھ کر وہ اور بھی دہک اٹھی - ابھی بہت سی باتیں کہنا ہیں - چلیے
 پتھر کے چوڑے پر بیٹھیں - اطمینان سے اپنی کیفیت گوش گزار کروں۔
 یہ اگر صائب بک کر نل اور کھڑا ہوا ترک بھی ساتھ ہوا - پتھر پر چوڑے پر
 دونوں بیٹھ گئے - صائب بک نے اپنی نیند داستان چھیڑ دی۔

باب پہلو خان

خراب

لگی بڑی ہوتی ہے جو رام بیت المقدس - مسجد اقصیٰ - مسجد حرام پاک اور مبرک
 مقاموں کو مسیون کے دستبرد سے بچانے والا ہے جو اپنی زندگی کو ملک و قوم
 کے نام پر وقف کر چکا ہے حمیدہ کے فوجی صورت چہرے کو ہتھکنے کے بعد کیا وہ اپنے
 اس عہد کو قائم رکھ سکے گا۔ آزاد کی طرف جسکی طبیعت مائل ہو گیا وہ کسی عشق
 کے نعل و تائین اسیر ہو سکتا ہے - جو شخص عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھتا ہو کیا
 وہ مستقل مزاجی سے اس عہد کا بانی نہ رہے گا - یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا حمیدہ کے
 مرقع حسن کا جمال گلوں سے چہرے کا نور اور اسکی آنکھ کا نور حسین کو کسویں پر چھنی ہوا
 تقارن کا دل قابو نہ لے سکیں - صبر و شکیبائی دونوں جواب دیا - جذبات عشق کشش
 اشتیاق نے ورغلا دیا - چلو دریا رنگ جلیں آنکھیں سینگ میں - آنکھیں خیالات
 میں الجھا ہوا یہ تو گرفتار دام محبت بارغ سے نکلا - یہ نہیں وہ کلچرہ کون ہے -
 کس سے پوچھیں - ارادہ کیا دیر سے پر چلو دہن سرائے نگاہیں گئے - طرح طرح
 کی فکر و تعجب اب میں غوطے کھاتا مکان پر آیا - بستر پر بیٹھ رہا - آنکھیں چہرہ
 کر لیں - حمیدہ کی تصویر سامنے پھر نے ملی - ریشمی طرح سیاہ اور نرم ہاتھوں کی
 میٹھی کالی ناگوں کی طرح سینے پر پڑی تھیں - کانوں میں بندے - بونہر ہاتھ

علی یوسف - ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے والدین کا جائزہ حیات شاید قطع ہو گیا ہے تم بھی تو اپنا مکان اناطولیہ میں بناتے ہو۔ اسکا بھی وطن اناطولیہ ہے۔ شاید تم اسے پہچان لو۔ اناطولیہ میں ایک نووی رہتے تھے۔ - سختے ہمیں وہی اسکے نانا چلن تھے۔

راہز کو یہ سنکر سخت تعجب ہوا چہرے پر لبناشت برسنے لگی جواب دیا۔
ہاں وہ ایک بزرگ آدمی تھے۔ خیر یہ پہلن کیسے آگئی۔

علی یوسف - اسکی قسمت کا شمار گردش میں ہے۔ اس کے ہاں باپ اسے ساتھ لیے حج کرنے آئے تھے واپسی کے وقت عرب کے بدوؤں نے اُنھیں لوٹ لیا بدھضیب حمیدہ بھی اپنے والدین سے بھڑکتی گئی۔ حمیدہ کہتی ہے کہ قزاقوں نے ہاں باپ دونوں کا نخل حیات قطع کر دیا۔

راہز - پھر آپ لوگوں کے ہاتھ کیونکر آئی۔

علی یوسف - بخت قزاقوں نے اسکا زیور کپڑا اُٹا دیا اور اسے عرب کے وکیلان میدان میں تنہا چھوڑ دیا۔ یہ رونے ہوئی ادھر ادھر بھاگ رہی تھی۔ میرے ہنوں کا ایک خدمتی اتفاق سے حج کرنے گیا تھا اور دھڑے نکلا وہ اُسے اپنے ہمراہ یہاں لیتا آیا۔

راہز - اسے تمسکے ہوئے کتنی مدت ہوا۔

علی یوسف - کوئی چار سال سے یہاں رہ رہے ہو گئے۔

راہز - کیا اس کے دل میں کوئی بات ہے؟

علی یوسف - وہاں کوئی نہیں۔ ہاں باپ نے نام بتائے لیکن بیان تو ابھی

پہنچاتے ہی ہوتا۔

راہز - تو کسی مقبرہ شخص کے ساتھ دوست کے مکان پر بھی پڑھتا۔

علی یوسف - ایسے لوگوں کی تلاش بہت کچھ کی گئی۔ - قریب ہزار کے لائق کوئی آدمی

میرزا آغا اور ملازمی تو رہا ہی نہ۔

راہز - آپ کے ملازم اگر انامولیہ جاتے ہیں ایک ہمراہ کر دیا ہوتا۔

علی یوسف - ملازموں کی آمد و رفت رہتی ضرور ہے۔ اول وہ شہر شہر چلا گاتے

پھرتے ہیں۔ دویم اسکاسن اس قابل نہیں کہ نوکروں کے خواہے کڑی جائے۔
 یونان روشنی ٹھہری۔ سویم خشکی کا راستہ۔ ریگستان کا ساحل۔ چادہ پلو کی رستہ کیونکہ
 گوارا کر سکتی ہے۔ اب کے ہمارا اور ہمارے ہونی کا قصہ تھا کہ اس روغن کو اسکا
 گھر بار پر دکر ادین۔ گردن لگتے ہو کسی آفت آنے والی ہے۔ عیسائیوں کا پیر
 کتابہ حملہ کرنے والا ہے۔ اپنی اپنی بڑی ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر کے جاکے ہیں۔
 رافض۔ حمیدہ اپنے والدین اور وطن کی یاد دہانی ہوئی۔

علی یوسف۔ کچھ دن اُدھرون رات رویا کرتی تھی۔ اب رہتے رہتے
 سادات ہو گئی۔ اور میری بہن اوسے بہت چاہتی ہے اور وہ بھی ادا اور مہربان
 سمجھتی ہے۔ جب کبھی حمیدہ کو اس کے وطن پر پائے کا ذکر چھیڑا۔ میری ہمیشہ ورد و
 آفت یاد دہانی ہے۔

رافض۔ یہ بھی اسکی خوش قسمتی ہے۔ اٹھنے ایسی مہربان حررت کو حمیدہ کے گلے کا ہار
 کر دیا۔ اسوقت اسکی عمر کیا ہوئی۔

علی یوسف۔ کوئی دن یا گیارہ سال کی عمر میں وہ یہاں آئی تھی۔ اور چار پانچ
 سال سے وہ یہاں رہتی ہے۔ اسوقت عمر چھوٹا بندرہ برس سے کم ہوگی۔
 رافض۔ یہ کیے وہ شادی کے وقت ہو گئی۔ مگر جب تک وہ اپنے وطن پر پنا
 ندی جائے گی شادی ہونا محال ہے۔

علی یوسف۔ سان انداز تو یہی کہتا ہے۔ لیکن وطن پر پنا بھی ہونا شواہد
 تھا رافض بھی انا طویل ہے ارادہ ہے تواری میرا کردار اور اسی ہے اُس دن تم
 اسکا ذکر بھی چھیڑا تھا۔

رافض۔ کیا کل وہ یہاں آئے تھی۔

علی یوسف۔ یقینی بات ہے میں نے اپنی خواہش کے خلاف نہ رہا کہ دلیہ
 وہ آئے اپنے ہر ادے کی لگی۔ تم اُس سے استفسار کرو گے بہت سی باتیں
 کھل جائیں گی۔ حمیدہ جیسی خوبصورت ہے ویسی ماشاء اللہ سیرت بھی ہے۔ نہایت
 سکھ دہنی ہے۔ طباع ذہین استفادہ ہے۔ عربی ادب کی خدا جائے کتنی کتابیں
 دیکھ دالین۔ اوسے دیکھ کر دل چاہتا ہے گلے لگائے۔

عربی پوسٹ میں ہے :- افسس اسکا جمال ہی ایسا ہے - بڑے بڑے ترانوں
کچھ سوچنے لگا - مجھے اس سے آگاہی نہ تھی حیدر کو مسب
پیادہ کر کے ہیں - کیا حیدر ایک شخص سے محبت نہیں کر سکتی -

اسی طرح دوپہر رات کے ایک حیدر کے ذکر و اوصاف کی داستان ہوتی
رہی بانا خرم علی پور میں وہاں ایک کے رفعت ہو - اوپر یہ خیال یا رکھا
جی پانک پر ہیٹ رہا - انکھیں بند کر میں گر خند کیا - حیدر کی شہید آنکھوں کے
بردہ بین سہائی ہے - بینہ آنکھوں کو کیوں کر آئے - حیدر کا تصویر پیش نظر رہنے سے
دل انقباض اور ہزارے ہیں کسی طرح دل نہیں ہنستا کسی کوٹ چین نہیں بھی بیٹھتا
کبھی کھڑا ہوجاتا ہے بھی لیت رہتا ہے - اور بھی یہ بکلی زبان سے نکلتے تھے
دلوازہ مصروفہ اتری جلالی ناقابل برواشت ہے - تیرے قصور میں مجھ پر ہناویز
سب سے پسندیدہ شغل ہے آواز بھی محروم رہوں تو کیا اس دھبی ہوئی طبیعت کو
انوار نہوگا - کیا ایسی حالت میں سینہ چاک کر کے مروجے کی خواہش نہیں ہوتی
جاتا ہوں تجھ کوئی میرا دھوئے نہیں - پھر میں تجھے پیا کیوں کرتا ہوں - بھننا تو
سب کچھ ہوں مگر کیا کروں - دل کسی طرح مانتا ہی نہیں ہائے شام کے وقت وہاں
کیوں گیا - اس کیوں لگا کیا جواب - اُس کے غیر زندگی کی جو کچھ قائم رکھ سکوں گا - اندر سے
کوئی جواب دیتا ہے - نہیں - سب سے زیادہ مصیبت تو یہ ہے کہ اس سے کچھ
کہہ نہیں رہا - گفتگو کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا - یہ دل کہنے اس کے قریب
قریب ہی ہے - بھلا اس تک یہ پیغام کون پہنچا سکے کہ میں اُس سے پیار کرتا
ہوں - ہائے میرے قاصد شوق کو کیا کوئی ایسی طاقت تو دلائی میرے منہ کے لیے جس سے
وہ اپنی حالت کا اظہار اُس کے رو بہ کرے - دل میں سوچ رہا تھا کہ اس سے
اپنی محبت کا اظہار نہ کر سکوں - دل کا درد دل میں پڑے شہید رہوں گا - گو غم چکر
چر کے لگے رہیں گے - مگر سبقت دیکھ سچ ہوں - میرا عہد ٹوٹ گیا - اگر
اُس جلد وصال سے اس دور کی حالت دیکھوں تو زندگی ہی ضلوع اور خو ہے
ہائے عہد شکن جگر بھی ایک خط نہیں کہہ سکتا - اُفت و دہندہ دل باکھا توں



انتظار میں ہے کہ تیرے کانوں میں اس دھماکے کا یہ نقشہ سن لے۔ میں نے تجھے یہ
 کرتے ہوئے اس محلے سے بے کسب کان میں رہے ہیں۔
 بیکار ایک رات کو کچھ خیال آگیا۔ سڑی سودا کی تو نہیں ہو گیا۔ اس کے کلام
 حمیدہ بیان کیا۔ تیری محنت کی کیفیت تجھے لے نہ ڈوبے۔ تجھے اس سبقت کی
 پاک محبت نہیں۔ تو مجھے بدنام کو دے گا۔ اُسکی محبت میں فرق آجایگا۔ لوگ
 سب سے تو کیا نہیں گے۔ حمیدہ آوارہ ہے۔ غیر انوس شخص سے محبت کر رہی تھی۔
 جس اب خاموش خبردار زبان سے کوئی لفظ غلامت شان نہ سکے۔ دیوار ہم گوشہ
 ہو گیا لا محذور زمانہ اس خواہش میں گزر جائیگا۔ باشندہ گزر جائے۔ میں امیں کی رہی
 نہیں ٹوٹے دوں گا۔ ایک نہ ایک دن وہ خود کہے گی تمہارا ریاض پورا ہوا۔ قفل
 سکوت توڑو۔ میں بھی تمہاری طرح نا جواب ہو رہی تھی۔ تمہارے ذکر اور فکر
 زخموں پر نہ بنا دیا تھا آج وہ کشمکش جاتی رہی۔ آؤ۔ آؤ۔ دل میں آؤ۔

رواق و منظر ختم من اشیاء تست

دیکھو آج نیم سحر کس انداز سے آنکھیں لپٹ کر رہی ہے۔ اسکا ایک ایک
 دل میں گونج رہی ہے۔ ہمتاب کی شعا میں صفوں پر لگا کر رہی ہیں
 کائنات کے ذرہ ذرہ میں مسرت کی چمک ہے۔ آج رنج و غم کا نام و نشان
 نہیں۔ مسرت درو دیوار کی بلال میں نے رہی ہے۔ خوشی کی دیوی توحش ہے۔
 دیکھو گوشہ ختم میں اشک مسرت کس انداز سے جھلک رہے ہیں۔ دل محبت
 کے بحر بیکران میں بار بار غوطہ کھا رہا ہے۔ کج کوئی مد کا وٹ نہیں جس طرح
 آسمان پر دو بادلوں کے ٹکڑے مختلف اطراف سے آکر مل جاتے ہیں اور
 ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم دونوں بھی دیر فرا بات کی ٹھوکر میں کھاتے کھاتے
 ملے ہیں۔

محبت کے سودا کی کہ اس خیال نے بہت کچھ اسکیں دی۔ نیند کے خار سے
 آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ بہترہ لیٹ رہا۔ جبکہ آگئی۔ خواب میں دیکھا
 حمیدہ کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے۔ وہ حمیدہ کو لیکر اپنے دھوڑے چارہ ہے۔ پھر
 عجیب و غریب منظر نظر آیا۔ ترسوں آگیا ہے ریشم کی ڈھری میں۔ پھر گھر آئی

سطح پر رہی ہے۔ وہ بڑی ہوتی کچھ دور نکل گئی۔ رام نے بھی اس خیال سے
 غائب کیا دیکھیں یہ کسان جا کر ٹھہرتی ہے۔ اونٹے دیکھا وہ ریشم کی ڈوری نہیں اوسکی
 ہیئت تبدیل ہو کر نیلگون سمندر میں مل گئی ہے۔ پھر سمندر کا نیلا پانی سنہری ہو گیا۔
 رام سمندر کے ساحل پر کھڑا بغور دیکھ رہا ہے۔ یکا یک سمندر کے پانی میں
 تلاطم پیدا ہوا اور سرد ہارین کنول شکستہ ہو گئے۔ ایک بہت ہی خوشنما کنول پر
 اٹھتی جوانی کے نشے میں خورہ حسن و جمال پر مغرور وہی داستان حمیدہ بیٹھی ہوئی
 رام کے چہرے کو دیکھ دیکھ مسکرا رہی ہے۔ اور حنائی انگلیوں کے اشارے سے
 اسکو اپنی طرف بلارہی ہے۔ رام کا دل بیتاب تھا۔ چاہا سمندر میں کود پڑے
 بشت پر کسی نے اسکا دامن تھام لیا۔ رام نے پلٹ کر دیکھا تو پشت پریشان
 حمیدہ کھڑی کہہ رہی ہے۔ یہ بھریکان ہے۔ خبردار پھانڈے کا قصہ نہ کرنا۔ ڈوب
 جاؤ گے۔ چلو ہم تم اپنے وطن جلیں۔ اس سترے کے سین میں رام کی آنکھ
 ٹھہل گئی۔

چھٹا باب

پھولوں کے نام

ہم گزشتہ باب میں رام کا خواب اور نیند ٹوٹنے کا حال لکھ چکے ہیں رام بستر سے
 اٹھا صحن میں آیا دیکھا قرص آفتاب مشرقی گوشے میں جلوہ گر ہے۔ طائران
 خوش الحان حمد باری میں مصروف ہیں۔ رام کھڑے کھڑے طائران کے
 جھجے اور زیر و دم کے نغمے سن رہا تھا۔ اتنے میں علی بوسف مسکراتا ہوا اساتے
 اگر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

”کل بھین گمان تھا۔ خدا جانے حمیدہ بیان آئے گی یا نہیں۔ آتے ہیں کیا؟“
 کے وقت ہی سے حمیدہ اندر نہرہ بیان لگتی ہیں۔

یہ جان بخش قرعہ سنتے ہی رام کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ یہ تھا
 زبان سے نکلا۔

”کیا آگئی؟“

علی یوسف - آج میں نے اُس سے کون کلام نہیں کیا عفت! تنازعہ درگاہ کیا رہا؟
 سے مناجا جاتی ہو۔ گزشتے سر ملا دیہ۔ تو یادہ بخاری ملاقات کی خواہاں نہیں۔
 راحہ - آئی کیوں نہیں کیا کتنی ہے۔

علی یوسف - اسکا کوئی جواب ہی نہیں دیتی معلوم ہوتا ہے اُسے شرم و انکسار
 وہ دیکھو دروازے کے پاس حمیدہ اور زہرہ دونوں کھڑی ہیں فقار سے وطن کی دفتر
 ہے۔ شناخت کرو۔ جگہ رنگ گورا ہے وہ حمیدہ ہے۔
 راحہ نے جس دستان کو سمندر کے ساحل پر دیکھا تھا اسوقت دروازے کے
 پٹوں کے اوٹ میں وہی زیبائش نظر آئی۔ علی یوسف کو محراب کر کے پوچھا۔
 اس کے والد بزرگوار کا نام کیا ہے؟

علی یوسف - تم خود کیوں نہ استفسار کرو۔ میں یہیں جاتا ہوں معلوم ہوتا ہے
 وہ یہاں آچکا جاتی ہے۔
 یہ لکڑی سے حمیدہ کو آؤ اندری۔ شرم کا ہے کی۔ یہ تھا۔ اتنا ہم پوچھتے ہیں۔ یہاں آؤ
 ہر اپنے خاندان کا پتہ بتاؤ۔

حمیدہ نے شرم سے گردن اور پیچ کر لی۔ زہرہ نے حمیدہ کا ہاتھ تھام کر چلتی گئی
 نہیں جو۔ مومن جان بلائے ہیں۔ اپنے وطن کے آدمی کے پاس۔ میں شرم
 کا ہے کی۔

حمیدہ نے زہرہ کی باتوں کا جواب نہ دیا۔ بلکہ اُس کے ہاتھ سے غوراً اپنا ہاتھ
 چھوڑا لیا۔

راحہ - بیوی! کیوں نہیں آتیں۔ شرم کا ہے کی کیا تھا! امکان ناظر یہ ہے۔
 حمیدہ کا چہرہ کسی اندرونی امتیاز سے سرخ ہو گیا زہرہ سے بولی۔

”جو اپنے گھر میں“
 زہرہ - چلے چلے تم کو کل رات جگا رہا۔ پلک تک نہ چھٹائی۔ وہاں آ
 کتنی عین اُسے اپنے وطن کی باتیں پوچھو گی۔ جب یہاں آ گئیں تو گھر چلے کی
 وطن کی۔

حمیدہ کے لبوں پر ہنسی کا نام نہیں۔ لیکن چشمہ ساز سے مسکراہٹ عیان تھی

حمیدہ کے نام کو دیکھ کر بہ اختیارِ راضیہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ ایک قسم کا حمیدہ کا اظہارِ محبت ہے اور وہ اس ذریعہ سے اپنی چاہت کی تصدیق کرتی ہو۔ راضیہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا قہقی سچ پر پہنچ گیا اور پھر لون سے بے ہوش ہو کر حمیدہ نام کے حوزہ میں اٹھا کر اپنے رُخسار و ناست ل دے اور پھر اسی قہقہے سے رینگ دیا۔

لفظ میں حمیدہ نامِ مشرقی نہ کے ساتھ آگے اسی تیج پر بیٹھ گئی۔ راضیہ سے بولی۔ میں دُنیا میں تھک چکی ہوں اور تم میرے۔ تم تم ایک جان دو کا لب ہو کر دُنیا کے کارِ خیر کو زمینِ جبین تک و قوم کی بھلائی ہو۔ آپکو مسیحی مظالم سے نجات دلانا اور رازِ رسیں ہر کس کا موقع بہم پہنچانا چاہتی ہوں۔ آپ دیکھتے ہیں جو شہرِ مسلمانوں اور مسیحیوں کے تعلقات میں تشدد کی اور بنا نہرت پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہیں۔ پس جس طرح ممکن ہو ملک کو فسادات دُنيا ہی سے بچاؤ میں۔ سلاح و ظلاح کے حامی ہیں۔ اور خونریزی دفع کرنے کی سعی ہوں۔

ابھی حمیدہ اپنی اس پیچ خیز نہ کرنے پائی تھی اور نہ راضیہ کوئی جواب دے سکتا تھا اتنے میں نقارہ بٹنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا مسیحی لشکرِ سادانِ حرب ساتھ ہے مسطظینہ پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ شہر میں اعدائے جو رہا ہے مسلمانوں کو چاہیے اپنی حیرت انگیز شجاعت دکھائیں اور اس مٹی خدمت کرنا یہ شہرِ خراب سے انجام دے یہ فرض ہر مسلمان کا ہے۔ جو جیس اور اسے گروہ کے لوگ یہاں آگے ہیں۔ اور پناہ دے پرخیزِ زن ہیں۔

باب ساتواں

فوجی جنرل کا انتخاب

اس خبر سے باشندگانِ بیت المقدس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چہرے زرد پڑ گئے خوف سے تمام جسم کانپ رہے تھے۔ خدا اپنا فضل کرے۔ رب العالمین ہمارا محافظ ہے بجز ان حملوں کے اور کوئی غلط سنانی نہ دیتے تھے۔ راضیہ کی دلجوئی اور

میں نے یہ سوچا کہ میں نے ایک انجمن بنائی اور جلسے کی تاریخ کا اعلان کر دیا گیا۔
 اس کے بعد میں نے ایک اور بڑے مجمع میں شرکاء ہو کر سب
 کے کوئی باتیں ہزاروں جمع فرم ہو گئیں۔

علی یوسف نے انجمن کے مقاصد بیان کر کے لوگوں سے راز کا انہرہ دیوں کر لیا
 اور کہا انجمن اتفاق و اتحاد کے آپ سرگرم ممبر رہ چکے ہیں۔ اسلامی طبقے کے بچے
 فدائی شخص ہیں حاضرین نے اس بہادر کے نام پر تحسین و آئین کے نعرے مانے
 اسکے بعد علی یوسف نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔

بھائیو ہمارے پاس جو فیروز آئی ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔ ہماری قوم
 و مذہب پر بہت برا دھکا لگنے والا ہے۔ یہی ہم میں نفرت و حقارت کو نشوونما
 بخشنے کے لیے آئے ہیں اور انکا کوئی شکر ہم سب کو تیار و برادر کرنے کے لیے
 کر رہا ہے۔ اس لیے ہم سب کو پوری توجہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ سب صاحب
 اتحاد و اتفاق پر مضبوطی سے قائم رہیں گے تو ایک اعلان اپنے علاقوں
 میں تقسیم کریں اور دشمنان قوم کی چالاکی سے ملک کو آگاہ کریں۔ یہ اعلان بلغاری
 سربانی اور ترکی وغیرہ زمینوں میں لکھے جائیں اور رو سا و قبائل کے سرداروں
 کے پاس بھیج دیا جائے کہ کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

ایک ایک نے کھڑے ہو کر کہا۔
 آپ کی رائے مناسب ہے اس سے صرف اتفاق ہی نہیں کرتا بلکہ تقسیم شہزادوں
 کی خدمت اپنے ذمہ لیتا ہوں۔
 راجہ ترک کے خاندان کو کھرا ہو گیا اور کہا۔

میں ان محترم بزرگ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس خدمت کو انجام دینے
 کا فخر حاصل کیا ہے۔ صرف ایک مشورہ باقی رہ گیا ہے کہ اس مسیحی لشکر کے تعلق
 کیا جائے۔ پیارے بھائیو ہمارے محترم بلغاری۔ یونانی اور اربانی کی رہائش
 تقریباً نصف قرن سے اپنے ذاتی اغراض کی تہ میں اسکا اظہار کر رہی ہیں کہ ترکی
 حکومت کے حصے بخرے کر دیے جائیں۔ بھائیو وطن پرست دوستو ہوش میں آؤ
 سوچو اور غور کرو یہ سلطنتیں تمہارے ملک پر قبضہ کر لینا چاہتی ہیں۔ اور بوقت

ہیک جو امن و امان تھا اسے تھیں مقامات پر رہا ہے ہماری متحدہ سامی کا نتیجہ
اور ہماری قربانیوں کا ثمرہ ہے جو ملک کے امن و امان پر ہم چڑھتے آتے ہیں۔
بائیں ہمہ جہین اس سے بھی انکار نہیں کہ دولت عثمانیہ کی انتظامی حالت
کسی قدر خراب ہو رہی ہے تاہم ہم کو شمش کرے میں کہ اس شکایت کا دور
ختم ہو۔ مملکت سے ملک کی کمزوریوں دفع ہوں اور رعایا آرام و آسائش سے
بہرہ لگنے کے قابل ہو جائے محرم بزرگو! آپ بھی سکتے ہیں کیا غیرتوں کے
اپنے فکر کا انتظام نہیں کر دیں گے ہم آزادی سے بہرہ کر سکیں گے۔ کیا آپ
دیکھ سکیں گے کہ ہمارے مقدس اماکن پر بیک مسجد کے گرجا تعمیر ہو جائیں
اور ملک مقوم مسیحی جاہل بن گئے۔ اسلام پر تباہی آئے۔ اسلام کی کتابیں مٹا دی
ہو جائیں۔ انجیل کی تعلیم ہو ہماری اولاد مذہب بے بہرہ ہو جائے۔ ہمارے دینی
سائل خاک میں دبا دیے جائیں۔ جبکہ ہمیں اسلام سبق دے رہا ہے کیا اسے
موتھوں پر جہاد سے کام لو۔ مذہب بد حرف آنا بہت بُری بلا ہے۔ مسیحیوں کی
حکومت قائم ہو جانے سے مسجد اقصیٰ۔ اور دیگر عبادت خانوں میں سناٹا
بھایا رہے گا۔ لوگ نیا طرز اور نئی روش اختیار کر دیں گے۔ مومن و مصلوٰۃ کی پابندی
یکفیت موقوف ہو جائے گی۔ جنگا نہ نماز کا کوئی قائل نہ رہے گا۔ رسول قبول مسلم
کے نام لینے سے نفرت ہوگی۔ ان باتوں کو گرہ میں باندھ لو۔ زیادہ کیا کہوں
مذہب عبادت خانوں کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھودینا پڑ گیا۔ اس وقت اگر
ہم متفق ہو کر اپنے مال و متاع کی محبت ترک کر دیں۔ جان کی پروا نہ کریں تو ممکن
ہے۔ خدا ہماری استعداد دیکھ کر ہماری مدد کرے۔ اگر آپ دینی اخوت کے لیے
وہابی آزادی کے خاطر اپنا نفس نہ دکھلا میں گئے تو خدا ہمارے ارادوں کو بہت کرے گا
اور اسلام کی تلوار ہمیشہ کے لیے کند ہو جاوے گی اور ہم طغی غلامی ہمیشہ کے لیے
نویب ٹوک کر لیں گے۔ آج بڑی مسرت کا دن ہے۔ آج دین اسلام کے پیر اور
اس پاک مذہب کے معتقد کسی شکایت کے وقت ہزاروں کی تعداد میں فراہم ہو
میں۔ آؤ۔ بھائیو! ہم لوگ باہم ملکر مہاب صمدیت میں عہد و پیمان کر لیں کہ ہم
کے حملہ آور ہونے کے وقت اسی طرح ہماری جماعت فراہم رہے اور دشمنان

قوم کے دانت کھٹے کرب - ہم آزادی کے خاطر اپنی جانیں قربان کرتے رہیں -
 اپنے اپنے جسم کا ہوا کر بک کی سر زمین کی پیاس بجھائیں -

یہ منظر نہایت عجیب تھا - حاضرین غیرت و حمیت کے جذبات سے جھپٹے
 اور انتقام کا جذبہ اور خودداری کی اسپرٹ برقی رو کی طرح جسم میں دوڑ رہی تھی -
 آنکھوں سے جوش نمایاں تھا - پانچنزار آدمیوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا شہید
 قوم و ملک پر ہم سب اشارہ ہونے کے لیے آئے ہیں - ہم نے اپنی جانیں قوم
 کی بحیثیت قائم کرنے کے لیے وقف کر دی ہیں - اگر دشمنوں کو مارا تو فارغ کے
 قہر سے دنیا میں مٹ کر رہ جائے اور مرے تو قومی شہید کہلائے اس سے
 بہتر اور بھاری عزت کیا ہو سکتی ہے -

دیر تک اس پرجوش غریب سے انجمن کا دل گونجتا رہا - جب سکون ہوا تو
 رافضی پھر کما -

غیرت - حمیت - عزت - اسلام نام سے میں دعا کرتا ہوں کہ یہ عقائد اپنی
 ہمتوں میں برکت اور اس کے اور ایک کامیابی بخشنے - آپ نے ہمارے ہاتھوں کی
 قوت و شوکت کو خاک میں ملا کر آپ سب حضرات زمین لیں -
 ہمیں کے غم کے ساتھ کہہ گئے تھے - علی یوسف سے کہا -

میرے یہ قوم جیساں تو کہو یہ کون کون سے بھائی ہیں -
 اور جنگی کشادہ پیشانی پر چھٹی کے غمراہ ہیں -
 جسم جبارت و بے باکت کے خیر سے بنایا گیا ہے - جسکی رگوں میں خودداری کا سر
 موجزن ہے - کتنی ہمد مسافت طے کر کے یہاں آیا ہے - اور یہ خیر ہے -
 کے جنگ و جدل کے موقع پر بخاری پشت و پناہی کرے گا - گو ہم بھی نہیں کرتے
 کہ میدان کارزار میں کیسا ثابت ہوا ہے جنگی قواعد سیکھی بھی یا نہیں - لیکن
 آگے کیا ہے اسکے دلی جذبات سے ہم لوگ متاثر ہو رہے ہیں - ظاہر ہوتا ہے
 یہ معمول نہیں - تلوار کا دھنی ہے - یہ اپنے ارادوں میں مشغول ہے اپنے
 ہم اس کے ہاتھوں میں فوج کی باگ دینے ہیں اور اسے ہتھیار دینے ہیں
 ہمارا جرنل ہے - کل میں اسی جادو کو میسر بہت - سلطنت کو خراج -

سلطان محمد خامس سے اسکو سالار لشکر کا معزز عہدہ ملا دینکا۔ شاہی اجازت سے کوئی شخص ان کے حکم سے انحراف نہ کرے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ جو بہادر شخص اپنی نیت سے مصیبت کے بحر ظلمات میں پھاند پڑے کو حیار ہو گیا ہے وہ رامنہ ہماری اس تحریک سے منفصل ہو کر سلطان کے پاس چلنے سے کبھی گریز نہ کرے گا اور ہزاروں کی جماعت میں ایسا وہ ہو کر پوری دی ہوئی اس عزت کو فخر و مباہات سمجھے گا۔

اس کے بعد علی یوسف ایک زرین ہارے کر اسٹیج پر کھڑا ہو گیا ہزاروں کی لگامین اس ہار پر اور رامنہ پر پڑنے لگیں۔ اتنی بڑی عزت مل جانے سے رامنہ مسرت سے کھل گیا اور پھر اسٹیج پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے بولا۔
برادران ملک اور فرزندان قوم! ہو چاہیے اب سکون و اطمینان سے کام شروع کر دیں۔ خدا ہمارے نصب العین کو قائم رکھے اور یہی وہ چیز ہے جو ظلم و ستم کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکے گی۔ آج سب صاحبوں کے روبرو میں پاک خدا و پاک رسول کا نام لے کر عہد کرتا ہوں کہ جب تک ان ہاتھوں میں ہتھیار اٹھائے کی قوت رہے گی تب تک دشمنان ملک و قوم کو تباہ کرنے سے منہ نہ موڑو گا۔ جان عزیز کے بجائے کے لیے میدان کارزار کے کبھی یہ قدم ہٹ نہیں سکتے۔ لہذا آپ سب صاحب بھی ہمارے پشت پناہ رہیں اور وقت مصیبت ہماری اعانت فرمائیں۔
رامنہ نے اپنی اسٹیج فیم کی علی یوسف نے کھڑے ہو کر وہ گولے کا زرین ہار رامنہ کے گلے میں ڈال دیا۔ چاروں طرف مبارک مبارک کی صدا کہیں بلند ہو گئی۔

مغرب کا وقت تھا ادھر مسجدوں میں ملاؤں نے اذان دی۔ ادھر جلسہ برخاست ہوا۔ جوق جوق لوگ سڑکوں کی گلیوں کی طرف راہی ہو گئے۔
علی یوسف اور رامنہ نے جوق جوق لوگوں کی راہ میں

باب اٹھواں

بوسہ

آج لیلة القدر کا دن ہے قریب مائتا سب سے جلوہ گاہ دنیا منور ہو رہی ہے۔ کوئی پہر بھر رات گئی ہوگی مسجد اقصیٰ کی سڑک پر ایک شخص زیر غفلت کھجور اسیادہ سے معلوم ہوتا ہے کسی کے انظار میں کھڑے کھڑے اسے دیر ہو گئی ہے۔ پاس ہی سڑک پر سیکڑوں آدمی اُس کے پاس سے گزرتے جاتے ہیں لیکن کسی جانب کوئی دھیان بھی نہیں دیتا۔ کوئی گھنٹہ بھر بدترین عورتیں اُس سڑک پر ٹھیکین چر نوجوان کو دیکھ کر پلٹے ٹھیکین پھر پاس آ کے کھڑی ہو گئیں۔ ان عورتوں میں دونو ادھیڑ ہیں۔ اور ایک جوانی کی انگلیوں میں چورشتہ شبا سے محو روکھاٹی دے رہی۔

ناظرین کیا آپ نے اس نوجوان شخص کو پہچانا اگر نہ پہچانا ہو تو ہم بتائے دیتے ہیں وہ اس ناول کا ہیرو اور مسجد اقصیٰ کے خجاندروں کا فرمان رافر ہے۔ سچی گو قوم سے سپہ سالاری کی خدمت عطا کی ہے۔

راہز کی نگاہ ان تینوں عورتوں کو دیکھ کر بیان گئی ان میں ایک تو علی یوسف کی بیوی زبیدہ اور دوسری اداسکی بہن فہیم اور تیسری وہی مصیبت زدہ دستا حمیدہ ہے جس کے چہرے سے مائتا سب کی ضیا ماند پڑتی تھی۔ زبیدہ اور فہیم ستاروں کے نقطہ مقابل تھیں جن میں حمیدہ کی شبیہ نور چاند تھی ہوا کا ایک جھونکا حمیدہ کے مشکبوزلفوں سے مس ہوتا تھا۔ رافر کے مشام جان کو تازگی بخش گیا توں کہہ سکتا ہے کہ یہ جھونکا حیات بخش ثابت ہوا یا نہیں۔

جتنے روز تک رافر پر دیسی اور غیر کھٹ بھیجا جاتا تھا اتنے دن تک علی یوسف کی عورتیں سامنے نہیں آتی تھیں۔ غیر کھٹ کا سامنا کرنا مذہباً درست بھی نہیں۔ اسوجہ سے پردہ ہوتا رہا۔ جب سنا کہ رافر عمان ہی نہیں بلکہ قسطنطنیہ پر جو مصیبت آنے والی ہے اس کے دفعہ کی فکر میں اپنی جان تک قربان کر دینا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ اسلام کے سچے پیرو اور دینی مسائل کے

حامی ہیں۔ اسدن سے زبیدہ بچیں اور دیگر بچی کی عورتوں نے رافز کا پردہ
تبرک کر دیا۔ زبیدہ اور بچیں رافز کو اپنا لڑکا سمجھنے لگیں۔ دعا کرتی تھیں خدا
انکی حیات کی رستی دراز کرے اور اس کے اردوین میں کامیابی بخشے۔
علی یوسف کی خواہر بچیں رافز کے پاس آکر بیٹیں۔

رافز اٹھا رہا تھا۔ پانچون دھوکے ہوئے دیر تک بیٹھ کر ٹرائیگن ابھی کچھ دیر اور
قیام ہوگا۔ سر کون پر از دام ہے۔ بچہ جھٹ جائے تو لڑکی کو زحمیدہ کی طرف
اشارہ کر کے مکان لے آئے۔ ہم دونوں مسجد آتے جاتے ہیں۔ وہاں منت لگتا
ہے کھنڈہ بھر بعد مکان آئیں گے۔

یہ کہہ کے بچیں اور زبیدہ دونوں وہاں سے کھسک گئیں۔ زحمیدہ اوسے غلے کے
بیچے ایستادہ رہی۔ رافز نے آواز دی۔
”زحمیدہ؟“

حالانکہ کوئی غیبی فرشتہ ان دونوں کے کان غیب درو نہ چھوگا تو یہ سب کہ زحمیدہ رافز
کی ہے اور رافز زحمیدہ کا ہے کھریہ دونوں اس وقت بیویوں نہیں دل کھول کے باتیں
کر سکتے ہیں۔ آنکھوں سے کئی دھڑکنے لگی ہوئی ہے لیکن بیویوں سے ایک غلطی نہیں
لگتا۔ زحمیدہ کا تو یہ صورت چہرہ استہسا ب کی خطیاسے ہو اور بڑی چمک اٹھا تھا بچہ چمک اٹھا
تھا۔ رافز سے رہا گیا پاس آکر کھریہ از فی زحمیدہ

زحمیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ غور میں تھی جواب کیا دین۔ اوپر رافز اس
فکر میں غلطان تھا۔ اس سے ایسا سوال پٹھنسا کر کیا جاسکے کہ خود بخود اس دریا کے
بیویوں سے کوئی کلمہ نہ کہ جس سے میری روت کو تازگی حاصل ہو۔ گدیوں کی حرارت سے
چہرہ روت سے رونا آجائے۔

تم اس سے کہانی سوال نہ کرے اس سے نہ جوابت ہو خطا و عہدہ تھار کے کینز ہو کر ہو سکتی
تھی بوسہ سوا آٹھ لگاؤ اور نہیں ہے۔

راد کو ان کلمہ سے بے حسی تھیں کوئی پھر پڑا تو زبیدہ بچیں ایمان سے
جائے والی ہوں معلوم ہوتا ہے۔ اسب تھا بچہ کی زیارت نہ ہو سکے گی۔
زحمیدہ نے اسب بچی کوں ہر سب اندو یا۔ ہر رافز کی طبیعت تھیں کہ کسی طرح اس

منہ سے کوئی لفظ نہ نکلتا۔ پھر بوجھا

”سوچا تھا تھیں براہ دیکر انٹونیٹین کے لیکن مجبور ہوں۔ یہاں تو جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اگر لڑائی میں کام آگیا تو یہ اُمید بھی منقطع ہو جائے گی۔ جوں کا منہ دیکھنا نصیب نہوگا۔“

یہ جملہ دیکھ کر پادشہ والا ثابت ہوا۔ داستان حمیدہ سے رہا نہ گیا۔ وہ نیک و بد کچھ سمجھتی نہیں۔ وہ مستقل مزاج ہے۔ وہ چاہتی ہے کسی طرح خونریزی کی فوسیت نہ آئے اور ہزار ملک مسیحی دست برد سے بچ جائے۔ اسے گردن اور چھکالی اور نوک آثارِ جبر سے نمایاں ہونے لگے دھیمی آواز سے کہا۔

”یہ منوروی نہیں آپ اس جنگ میں لیں۔ آپ کوئی ایسی چال ملیں کہ اسلامی اخوت پر دھبہ نہ آئے پاسے اور نہ جنگ و جدل کی فوسیت آئے۔ کیا آپ کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی۔“

راہز نے آج حمیدہ کے لبوں سے پہلے پہل یہ جملے سنے۔ دل ہاتھوں بڑھ گیا گویا یونین کی دولت مل گئی۔

اسے جواب دیا۔

یہ تو امکان سے باہر ہے۔

حمیدہ پھر سکوت کھینچ گئی۔ جواب دیتے نہ بنا۔

راہز نے تجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ بیان سے رخصت ہونے وقت تم سے ملاقات ہو سکے گی اور نہ اسکی خبر تھی آج تمہارے گلابی لبوں سے ایسے روح بخش کلمات سنو گے۔ کاش اسکی خبر ہوتی کہ تجھے جنگ میں حصہ لینا تھیں منظور نہیں تو کبھی جتنا باری میں اس عہد کا پابند ہوتا۔

حمیدہ کے لبوں پر قفل سکوت لگا ہوا ہے۔ لاکھ چاہتی ہے کوئی جواب دے جو اسے نکلتا ہی نہیں۔

راہز۔ خاتون حمیدہ اب مجھے اپنی زبانت کی کچھ بھی یاد نہیں ہے۔ میں تمہارے یہاں مسافرانہ بردہ باش کرتا تھا۔ کوئی سناہتی نہ تھا۔ جب سے تمہارا چاند سا چہرہ دیکھا ہے خدا میری نئی زندگی ہو گئی۔ میرے دل میں اسوقت سیکڑوں

تسنا میں رقص کر رہی ہیں۔ آج ہی میں نے ہزاروں آدمیوں کے رو برو محمد کر لیا ہے کہ جب تک اس جسد خاکی میں روح ہے تب تک دشمنان مذہب سے لڑو گا کس صبح ساونیک جانے کا عزم ہے اُن کے لئے کامیاب کیا اور دہیسی کی نوبت ملی تو پھر تھار احمد دیکھو لگا ورنہ یہ حسرت قبر تک ساتھ جانے کی۔ یہی شکر ساونیک پیاری پر اُترا ہوا ہے۔ وہاں بہت بڑا گشت دفون ہوگا۔

رامز جواب کا انتظار کرنے لگا۔ مگر حمیدہ نے کوئی بات نہیں کہی۔ رامز کے دلمین اور قبیح و تاب کی گتھیاں پڑ گئیں۔ اضطراب چڑھ گیا دلمین کہنے لگا۔ ”حمیدہ چاہے تم تو یو یا نہ یو۔ میں پھر ایک دن تمہارے پاس آؤں گا اور اس دن تم سے وہ بات کہوں گا۔ جو دل کے پردوں میں ابھی تک مخفی ہے۔ دیکھو اس دن تم میری بات کا جواب دینا“

رامز نے پھر حمیدہ کو مخاطب کیا اور پوچھا۔

میں ہمیشہ تم سے تمہارا پتہ پوچھا کرتا ہوں۔ تم کچھ جواب ہی نہیں دیتی ہو۔ اگر کہنے میں کوئی عار نہیں ہے تو اپنا حسب نسب بتاؤ تمہارے والدین کا نام کیا ہے میں اس کا پتہ لگاؤں گا۔ انا طویہ میں میرا بھی مکان ہے ممکن ہے اس کا سراغ لگا لوں یا تمہیں اس وقت بھی کچھ پتہ دیسکوں“

”حمیدہ کا ذہن خالی ہے اس میں کوئی لفظ ہی نہیں۔ یہی جواب کیا ہے البتہ اس کے چشم فتنہ سار سے قطرات اشک کی لڑیاں ٹوٹنے لگی ہیں وہ زار زار رو رہی ہے کیا راز نے اسے روتے ہوئے دیکھا ہے۔ سرشک غم جو اس کے گل سے رخصت دن کو تر کرتے ہوئے پیر ہن پر گرے ہیں کیا رامز کی نظر ابھی تک ان کی طرف مخاطب نہیں ہوئی۔ اگر راز ان اشک کے آبدار گوہروں سے کوئی سوال کرتا تو شاید اسے اپنے سوالوں کا جواب مل جاتا۔ کیونکہ آسمانوں کا بانی اندرونی جذبات اور فی القیاس کی کیفیت ظاہر کر دیتا ہے۔ اب کی دفعہ رامز دیر تک جواب ملے کا منتظر رہا۔ مگر وہی سکونی مرقفل دہان رہی۔

رامز نے پھر توکا۔

حمیدہ! کیا خاموش رہو گی جواب نہ دو گی تمہیں میرا جرم بخش دینا ہوگا۔ میں

تھارا گناہگار ہون معاف کرو۔ دیکھو آج یہاں سے چلا جاؤ گناہ اور یہ ہار جو کل مجھ کو بخش کی طرف سے دیا گیا تھا تھا تمہارے گلے میں جامل کرنا چاہتا ہوں جب تک یقین میرا سا یہ نظر نہ آئے اور یہ یقین ہو جائے اب اُس کے دیرانہ کو کچھ اسوقت اسے دریا میں بہا دینا۔

یہ کہہ کر راف نے اپنے گلے کا زربین ہار ہوتا رہا۔ حمیدہ نے ہر قسم کے زبردستی تمام اچھے کالا اور گلابی دساروں کو بوسہ دیا۔ آسمان کے تاروں کے مساوی جو درختوں کے پتوں کی اداس سے جھانک رہے تھے۔ اور کوئی اس سین کی مشابہ نہ کر سکا۔

نوان باب

صائب بک کی سرگزشت

سپہ سالار صائب بک اپنے مرشد کو ساتھ لے میدان میں پہنچے ہوئے پتھر کے چوتروں پر جا بیٹھا۔ سپہ سالار کی آنکھوں سے اشک خرمی کے ترارے بہ رہے ہیں ایک سوتا جاری ہے کہ بند ہی نہیں ہوتا۔ دیر تک ہی کیفیت ہی ایک آہ سرد بچہ کر جیسے رومال نکالا چہرہ صاف کیا۔ (اور بولا۔

”پیر و مرشد ابھو لوگ کچھ کہتے ہیں۔ فوگتے ہیں۔ عیسائیوں کی عقیدت کشی اور ان کے مسائل کو دیکھ کر عیسائی نہیں ہوا ہوں۔ آپ کو خیال ہوگا کہ بیت المقدس کے بستیے اور مجھ سے کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ اسی بستیے اور قالو کے جالی کار روایوں سے مجھ آفت آئی اور ایمان کھو بیٹھا۔ اسوقت حضور نے اطمینان دیا اور ہدایت کی کہ عیسائیوں کے فوجی افسر جرجیس سے فریاد کرو۔ وہاں تمہارا انصاف ہوگا۔

مرشد۔ درست ہے۔ ضرور ہدایت کی تھی مخلص تھا فریاد سنی جائے گی۔ مگر معاملہ برعکس نظر آیا۔ بجائے بھلائی کے بُرائی دیکھ رہا ہوں۔ افسوس سب کچھ تم اپنا دین کھو بیٹھے۔

صائب بک۔ جی ہاں۔ جسوقت وہاں چھوڑا مکان سے نکلا۔ مقصد

بدشگونیوں سے سابقہ ہوا۔ اپنے کچھ قوجہ نہ کی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں عیسائیوں کے دربار میں دو خیمیں رسائی مشکل ہے۔ پھر ایک مستغنیث کی وقت ہی کیا دیکھار بتائی جاتی ہے۔ چنبر گذر چکی۔ یہ وہی خوب جانتے ہیں۔ دوسرا شخص ان مشکلات کو نہیں سمجھ سکتا۔ جیڑیس کی بھاؤنی میں کوئی ایکسا ماہ تک مقیم رہنے پر بھی گورنر سے ملنا نصیب نہوا۔ البتہ چند ملازموں اور خانسا ماؤں سے ملاقات ہوئی تھی اور یہی خوشامد کرتے کرتے مہینہ گذر گیا۔ تعجب تو اس بات کا کہ جنہوں سے ملاقات ہوئی دولت کے بھوکے نظر آئے۔ سب میری ہی عیب ٹھوتے رہے۔ جسے دیکھ کر مجھ سے کورا اور مطلب آشنا کسی نے میری آہ و زاری پر کان نہ دیے۔

ہر شہد۔ ذاتی تحقیق بڑی وقت ہوئی ہوگی۔ آخر ہوا کیا ملاقات ہوئی یا نہیں۔ صاحب یک۔ ایک روز عام دربار تھا۔ برسے بٹے عائد۔ اور معززان شریک دربار ہوئے۔ اعلان تھا۔ جیڑیسیت کا آدمی اسکتا ہے اور اپنی غرض بیان کر سکتا ہے۔ دعویٰ جیڑیسیت کے ٹوک خیالی کرتے ہیں اسدن مستغنیثوں کی فریاد سنی جاتی ہے۔ اور انصاف کے ساتھ مقدمات فیصل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ خیالی خیال ہے۔ مجھے بھی ملان تھا آج انصاف کا پردہ سے۔ کچھ نہ کچھ داخل جانے کی بنا پر اسی خیال سے دربار میں ہونا۔ لیکن کسی شخص نے میری درخواست گورنر کے سامنے پیش کرنے کی حامی نہ بھری۔ مجبوراً خود ہی جرات کر بیٹھا اور صلا تا فریاد کرتا جیڑیس کی میر کے رد ہو جائے گا ہو گیا۔ جیڑیس نے نہ بھی قہر آلود نظر سے غور۔

ہر شہد۔ یہ کیوں۔ کیا تم پہ بھی کوئی جرم قرار دیا گیا تھا۔ کیا تم مجرم تھے غصہ کی نظر سے گھورتا کیا معنی۔

صاحب یک۔ جیڑیسیت تھر کے اور کیا کہا جاسے۔ میرے انقدس کے کسی شب کا ایک رشتہ دار دربار میں موجود تھا۔ گورنر کی اسیزیت، حیرانی تھی اس سے رشتہ حاصل ہوا۔ آہستہ آہستہ انکی ترقی ذرا تھیں زبان میں کچھ ایسی باتیں کہیں جس سے گورنر کی نسبت میری جانب سے شراب ہو گئی اسے خوشنک ہو کے

مجھ سے کہا۔

”اوسلمان میں جانتا ہوں تو“ قسطنطنیہ کی رعایا کو سنی حکومت سے بڑھ کر
یہ شور و شغب پوری ہی ذات سے قائم ہے۔
میں نے گڑ گڑا کر جواب دیا۔

خداوند! میں ایک غریب سید ہوں۔ مجھ میں رعایا کو انحراف کرنے کی طاقت نہیں
رعایا میری بات کب سن سکتی ہے۔ پادری صاحب مہر اقصیٰ میں سورنہ کو لانا
چاہتے تھے۔ اتنی کستانی ضرور ہوئی میں نے انھیں روک دیا اور عرض کیا کہ تمام
مسلمان بچ کر جائیں گے۔ یہ مدھی سالہ ہے اس میں ہاتھ نہ ڈالے۔ پادری صاحب
کو کب تاب تھی و شتی نے ساتھ صاحب دیا مسیحیوں کی حکومت میں مسیحی اپنا
مذہبی فعل نہ کریں یہ کیا اصل بنیاں ہے اور تو منع کرنے والا کون۔ ان کلمات
سے انھوں ضرور تارو کا گیا۔ میں نے کہا حضور! یہ سرزمین مدت سے مسلمانوں کے
تحت میں ہے وہی یہاں کے مالک ہیں۔ ہمارے بادشاہ خلیفہ مسلمان حضرت
سلطان محمد خاص ہیں وہ اس فعل کو نہ کرے گا ورنہ کریں گے۔ بہت بڑی غلطی
ہو جائے گی۔

یہ سن کر جب میں گورنر کے قیودوں پر اور بھی ہل پڑ کے۔ جھٹکا کر دیا۔
اور ترک اسٹین پادری صاحب نے میرے حق میں جو سزا تجویز کی ہے وہ
جست کم بہت جو شخص مسیحیوں کے دینی تقدیس میں روکاوت ڈالنے والا ہے اور
اُس کے حکم سے سرکاری کرتا ہے اس کے ساتھ قید ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں وہ
اپنی حیات کے دن بھرے کر سکتا ہے۔

گورنر کے اس قہر نگی سے دل لرز اٹھا۔ بہت کچھ نوشتہ بدلی اور عرض کیا کہ
حضور میں بے گناہ ہوں کیوں مورد عتاب ہو رہا ہوں۔ رستم کاغذ دستا میں
فریادی ہوں۔ داد دیجیے۔ سب کچھ کہا وہاں دستا کین ہے اور پادری کے
رشتہ دار کی باریں بڑی آتش حرارت میں روشن کا کام کر رہی ہیں۔ افسان
در کنار ہوا تنگ کہ قید خانہ میں پیچھے یا گیا۔

عرشد۔ ہا میں خدا جلالتی تم کیا کسہر ہے ہو۔ کیا اتنی سی بات پر تم چل پھوٹے

تو بتو: کیا قیامت ہے خداوند! تو نے ایسے ظالموں کے ہاتھوں میں ہماری پاک سرزمین کی حکومت کیوں تفویض کی۔

صائب پاک۔ پیر شد! میں تین روز تک ایک کال کوٹھری میں بند رہا کھانے کی طرف نہ ہوں۔ ایک سپاہی تین روز تک مٹی کے طباق میں سوکھی روٹیاں ایک پیار دال اور کھڑا بھر پائی رکھ جایا کیا۔ مگر مجھے اس کھانے سے نفرت رہی کبھی کھانے کی طرف نہ دالی۔ چوتھے روز ایک مسیحی نے آکر غلط سنا یا اور مجھے ہتھمہ دینے کا ارادہ کیا۔ مگر خدا کی شان میں اس روز بھی بچ گیا۔ میں نے سوچا دین عیسائی قبول کرنے سے مر جانا بہتر ہے۔

مرشد۔ صاحب زادے! ایسے وقت میں خدا ہی مددگار ہوتا ہے۔ تیرے عیسائی چچا تعجبات سے ملوم ہوتا ہے۔

صائب پاک۔ اب میں اپنی بدقسمتی کا حال سناتا ہوں۔ جس قید خانے میں قید تھا بغل میں چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ باغیچہ میں ایک خوشنما قصر تھا۔ اس قصر میں ایک نیدی رہا کرتی تھی جو خدا کے فضل سے بہت ہی نیک دل اور رحیم تھی۔

مرشد۔ وہ نیدی کون تھی۔ شاید گورنر کی میم ہوگی۔

صائب پاک۔ گورنر کی میم تو نہیں تھی۔ تھی کسی افضل خاندان کی۔ گورنر کے بھائی مر جس کا نام شاید آپ کے بھی آگیا ہوگا۔ اسی مر جس نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا۔ یہ نیدی اسی مر جس کی دختر تھی۔ مس فلور کا نام تھا۔ بیت المقدس کی رعایا مر جس کو بہت مانتی تھی۔ اکثر اشخاص کا قول ہے کہ جب مر جس گورنر کے ایام سے مر جس کو نہ ہر دیا گیا اور یہی ایک وجہ ہے اکثر یہاں کے باشندے جب مر جس کے نام سے پھر کتے ہیں اور یہاں کی رعایا کو اغوا کر رہے ہیں۔ ترقی اتفاق و اتفاق کے نام پر ایک انجمن ترتیب دی گئی ہے۔ جیز فلور کے مر جس کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اور یہ چنانکہ گورنر اپنی بدنامی کا دھبہ مٹانے کے لیے فلور کو بہت عزیز رکھنے لگا۔ فلور جو شے چاہتی اسی وقت دیا جاتا تھا۔ اسکی عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔

ہر شہد۔ ان باتوں سے مطلب نہیں۔ واسے بھی دو۔ اپنی کیفیت کو
پھر کیا ہوا۔ ۹

صائب پاک۔ اپنی ہی کیفیت عرض کرتا ہوں۔ جب فلور اس تیر
کو پہنچی۔ خبر میں نے اُسے یہ فقر دے دیا اور کہا تم آئینہ سکونت اختیار کرو
اور آزادی و زندگی بسر کرو۔ میرے پاس آئینہ و شربت کی ایک جگہ تھی جسے میں
قوات کے ساتھ کسی قدر تیز آواز میں پڑھا کرتا تھا۔ میری حد فلور کے فقر میں
شکریہ لاتی تھی۔ مجھے یہ معاملہ عقبت ظاہر ہوا کہ اُسے کسی اپنے ملازم یا چہرے
سے بوجھ کو نفع بخش عربی پڑھا کرتا ہے۔ میڈی فلور کے ایسا ہے پیرا میں نے
پاس آیا میں نے اپنی عمر آلودہ آئینہ شادی و دہشت ہی متاثر ہوا اور اندیشوں
کرنے لگا۔ جب چہرے میں نے جا کر میرا قصہ اُس رحیم بیڈی کو سنایا۔ وہ مجھ سے کہ
میری کیفیت دیکھ گئی۔ مجھے اُس روز چھٹا فاقہ تھا۔ بکوک سے بھینسی پڑا ہوا
تھا۔ اس درست نہ تھے۔ خدا خدا کر کے وہ روز آخر ہوا۔ شام کو جب کچھ ہوش
آیا اور میں نے دھیان سے دیکھا معلوم ہوا یہ قید خانہ نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا
سکان ہے۔

ہر شہد۔ یہ اور بھی عجیب بات ہے۔ شاید گورنر نے دوسرے مکان میں بند
کر دیا۔

صائب پاک۔ نہیں جناب۔ بھلا قسی القلب گورنر مجھے اذیت دینے
سے جوکتا۔ مجھے سخت ترین آزار پہنچا ہے جارہے تھے۔ پجاری فلور کے
رحم کھا کر چوری چوری قید سے اٹھوا سکا یا۔ غرض میں فلور کے آرام سے کمر
میں ایک کوچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ بائیں کوچ کرسی ڈالے فلور بھی بیٹھی ہوئی تھی۔
ہر شہد۔ کیا میں کوئی گڑھا ہوا قصہ سن رہا ہوں۔ یہ بتاؤ تم سے اپنا دین بھی
کیوں کھو دیا۔

صائب پاک۔ سنیے۔ اسی فلور نے مجھے دین سے بے دین کیا۔ میری
غلت میں اس نے مجھے ناجائز گوشت کھلا دیا۔ دوا کے بہانے شراب
لائی۔ دوزخ کے بعد مجھے معلوم ہوا اور میں بائیں مل کے رہ گیا۔

باب دسواں

مرشد کے سجھانے بچھانے سے صاحب یک کو کچھ تسکین ہوئی۔ بھیننی دغ ہوئی پوچھا۔ کیا آپ کو رافز کی خبر ہے۔ وہ کہاں ہے کیا کام کرتا ہے۔
مرشد۔ کیونکر جان سکتا ہوں۔ آج چار یا پنج سال ہوئے جبے حمیدہ گم ہوئی ہے اپنے وطن اناطولیہ کی طرف نہیں گیا۔ وہاں کا نام لے دینے سے میرے قلب پر کوئی اثر نہ رہتا ہے۔

صاحب یک۔ ہائین۔ کیا حمیدہ کھو گئی۔
مرشد۔ زندہ ہے یا مر گئی۔ یہ تو عالم فیض جانے۔ مگر میری نگاہ سے اوجھ۔
صاحب یک۔ کیا اپنی سسرال گئی۔

مرشد۔ نہیں بیٹا! حمیدہ کی اب تک شادی ہی نہیں ہوئی۔ زندہ ہوئی تو دوسرا نکاح رافز کے ساتھ کر دیتا۔

صاحب یک۔ کیا بات ہوئی کیا کوئی امکان سے نکالے گیا۔
مرشد۔ یہ بھی عجیب و غریب داستان ہے۔ مین کعبہ شریف چلنے جانا باقلا حمیدہ کی ماں اور حمیدہ بھی ساتھ تھیں۔ جب حج کر کے واپس ہوئے راستہ میں عرب کے بدوؤں نے گھیر لیا۔ کچھ مال متاع کپڑے لے تھے چھین بیٹے۔ اندھیری رات تھی قزاقوں کے غوث سے میرا قدم ٹک نہ سکا جنگل میں چھپ کر جان بچائی اپنی جان تو بچ گئی مگر حمیدہ جو ایک رتن تھا ہاتھ سے جاتا رہا۔ یا قزاقوں نے اسے ہلاک کر دیا ہوگا۔ یا اسے اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔

صاحب یک۔ ایسی قبولی صورت الٹ کی تو قزاقوں نے کبھی ہلاک کیا ہوگا۔ آپ کی غفلت سے چھاری کی یہ کیفیت ہوئی۔ اگر دو چار سپاہی چمکیدار ساتھ لے لیے ہوتے یا کسی قافلے کے ہمراہ رہتے تو یہ ہرگز نوبت آتی۔ کیا ہمراہی میں ایک سپاہی بھی نہ تھا۔

مرشد۔ دو سپاہی اور ایک چمکیدار ساتھ تھے۔ بچے انھیں کے سرخو وہ تینوں

میں نے ان کے لئے ایک نئی جگہ چن لی تھی۔ وہاں پہلے سے ہی ایک
کسی خاص سڑک پر رہتے ہیں جو اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دکتر محمد علی شریعتی

میر شدہ بہت کچھ خاک چھانی کہیں گمراہ نہ لگا۔ اندھی دوزخ حیدر علی بہتو میں
شہر شہر گھر گھر کھشت لگا رہتا ہوں کہ میں نہ داخل ہے برا ہاتھ آیا ہے۔ کئی سال
سے جلونی کی طرح خاکسار ہوں۔ ایک دن سینہ افتخار میں کے قیامی سے
ملاقات ہوئی ادنیٰ زمانہ معلوم ہوا اسلویک کے قریب کسی موضع میں ایک گڑھا
خانہ بنی ہوئی تھوڑی تھوڑی ہے شاید کسی نجوار نے اسے اپنے مکان میں رکھ لیا ہے۔ آگے
چل کر ادنیٰ کیفیت اور اسکا علیہ بتایا اس سے تو ظاہر ہوتا ہے ہونو میری زبردستی
فروری ۱۹۷۰ء -

حقائق اس بھر آپ وہاں کون نہیں گئے۔

طرش شدہ بیشک جاتا ہے۔ کھا کر تباہت نہیں بڑھتی۔ حمیدہ کی والدہ سڑن ہو گئی ہے جسوقت سے حمیدہ کم ہوا ہے۔ بچک ادکی آنکھیں کاسوتا بند نہیں ہوا۔ کھانا پینا ترک ہے۔ رات دن دسے سے کام۔ مکان میں کھڑے ہے۔ کونسل نہیں جاتا۔

محاسب ابک - گوئی مجھ کو وطن چھوڑے آج کئی سال ہو گئے۔ وہاں کے نفس و
عشق اب یاد نہیں۔ گریہ راز اور عیب کا خیال اب تک دل سے نہیں مٹا۔ اوس کی
ہوئی بھالی باتیں اب بھی یاد آجاتی ہیں۔

راہز کا نام رکھتے ہی صاحب بک کا گلابو آجائیم پر غم سے قطرات اشک جاری ہو گئے۔ جب اس جوش میں کمی ہوئی۔ مہر شہ سے عرض کیا۔

پیرم شد این پنجویں درهٔ مستطیل تا خلاصهٔ اولاد چون - راضی ایسا دقاویہ چائی
اگر اسی عقیدت کی قدر نہ کریگا۔

مرشد و اسبق فقہاء و محدثین۔ یہ اللہ کی مرضی ہے۔ و دیوبند اساتذہ کرام۔

عالم شہباز - کیا مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ یا یہاں آنے کی کوئی اور بھی غرض تھی
شریفہ - اور کوئی غرض نہیں۔ صرف تمہیں سے ملنا چاہتا تھا۔ سن رکھا تھا تم ابھی

زرد ہو۔ خیال کیا پہلے تم سے مل ہوں پھر یقین ساتھ مسجد اقصیٰ کے مجاوروں سے ملوں
شاید وہاں حیدر کا پتہ لگ جائے۔

صائب بابک۔ بہت بہتر چلے مسجد اقصیٰ۔ اور دیگر زیارت گاہوں میں
تلاش کروں۔

هرشد۔ بھئی۔ اب تم معمولی شخص نہیں بڑے آدمی ہو۔ اتنے بڑے جلیل القدر ہمارے
کام کرتے ہو۔ بخون نکلیں درنا میری انسانیت قبول نہیں کرتی۔

صائب بابک۔ یہ گمان غلط ہے میں اسی طرح آپ کی خدمت بجا لائے گا
مستعد ہوں جس طرح تعلیمی حالت میں۔ بہر حال میں بھی مسجد اقصیٰ جانے والا
ہوں۔

هرشد۔ کیوں وہاں جا کے کیا کام کوئے۔ دیکھتے ہو ترکی کی رعایا شورش پر
آلودہ ہے۔ ایسا خوفزدہ ہو جائے۔ کیا اس کے روکنے کی کوئی سیل نکال
چکے ہو۔

صائب بابک۔ بیت المقدس۔ بغداد ہتھول اور دوسرے کئی مقامات
پر سرکاری قبضہ ہو ہی چکا ہے۔ مسجد اقصیٰ مسجد حرام جس کا تہہ کہ کے برابر ہے مسجد
نبوی ان مقامات پر خطر کرنے کا ارادہ ہے چنانچہ یہ تحریک پاس ہو گئی ہے۔ اور
ہفتہ ہی دو ہفتہ میں کثیر لشکر ان پر گولہ باری کرے گا اور عیسائی ان پر قابض
ہو جائیں گے۔

هرشد۔ یہ کیا بابک رہے ہو۔ کیا مسلمانوں کے جلیل القدر پیغمبر کا ادب و
احترام بھی چھوڑ دیا۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزاروں کی بھی
تقدیریں بھی دی۔

صائب بابک۔ طلب میں اب انسان نہیں ایک دین فروش ہونے کے
اسلام کا تقاضا ہے۔ بن گیا ہوں بھی ایک میری رنگین میں پیوستہ ہے اس لیے
انکی توہین کرنا میرا فرض ہے۔

هرشد۔ خبردار ایسی ہیئت دباؤ نہ ملے مسلمان تھوڑے بھائی ہیں ان کے دلوں کو
دیکھنا انھیں شرمیلے نہیں مایوس کر کے تم میرے مخالف ہو۔ قرآن و حدیث کی حکم

جانی ہے۔ میرا حکم ماننا شروع کرنا ہے۔ اس بے بین یقین حکم دیتا ہوں مذہب کی توہین سے باز رہو۔

صائب ایک۔ جناب اگر آج میں برسرِ حرکت نہوتا۔ غریب سید ہی ہوتا تو آپ کا حکم چالاتا۔ میرا باطن رنگ اکود ہے میرا دل سیاہ ہے روحانی طاقت ہے نہیں۔ کیونکہ اس حکم کو مان لوں۔ جب طاقت نہیں۔ بھائیوں کے خون کی پروا نہیں۔ حسبِ وطنی ہو نہیں۔ مان۔ بھائی۔ بہن کی صورت دیکھنے کا روادا نہیں تب اس ناچیز سے کیا ہو سکتا ہے۔

حرم شد۔ خیر ان باتوں سے کوئی نتیجہ نہیں۔ یہ بتاؤ کب تک چڑھائی ہوگی اور تم کب اٹھ کر کوچ کرو گے۔

صائب ایک۔ عرض تو کیا۔ ہفتہ ہی عشرہ میں گولہ باری شروع ہوگی۔ اور کل تک میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں گا۔ میری درخواست ہے جناب بھی میرے ساتھ چلیں۔ انشاء اللہ میں دفتر حمیدہ کو سرگرمی سے تلاش کروں گا۔ اگر اس کا نقل حیات سرسبز ہے تو لا محالہ مل جی جائیگی۔

حرم شد۔ تمھارے ساتھ چلنا بہت ہی انسب ہے لیکن بات یہ ہے کہ میں ایک بوڑھا سید ہوں۔ تم عیسائی ٹھہرے۔ تمھارے ہمراہ چلنا کیونکر ممکن ہے۔

صائب۔ اسکی آپ پروا نہ کریں۔ مسیحی حکومت میں کون ایسا شخص ہے جو فوجی کرنل صائب ایک کے حکم سے گردن تابی کرے۔ آپ ایک فتنس پرر موار ہو جائیے گا وہ آپ کو بہت جلد پہنچا دے گی اور میرے چند مسلمان خدمتی خدمت پر نہیں دمیں گے۔ آپ کا خیمہ علیحدہ نصب ہوگا۔ آپ ہمیشہ عیسائیوں کے زیرِ سایہ رہیں گے۔ بہر نوع آپ مطمئن رہیں کسی قسم کی تکلیف آپ کو نہیں پہنچ سکتی۔

حرم شد۔ بہتر۔ بہتر۔ بہت خاصی بات ہے۔ دعا دیتا ہوں۔ اب اعزت اس سے تمھاری زیادہ حرمت کرے۔

صائب۔ ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں۔ اُس روز آپ نے میری صورت دیکھ کر فرمایا تھا۔ صاحبزادے! تم بہر کوئی آفت آنے والی ہے۔ کیا یہ

درست ہے۔

مرشد۔ نہیں جی۔ وہ کوئی بات نہیں ہے۔ اچھل کچھ میرا نام چھ گیا ہے۔
ہر وقت افسردگی چھائی رہتی ہے۔ جسے دیکھتا ہوں بھڑکا ہوں۔ یہ بھی تاریک
سرگردان ہوگا۔ یہ بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہونے والا ہے۔ اسی سے کبھی کبھی
خرافات گلے نکل جاتے ہیں عقلمند لوگ کچھ خیال نہیں کرتے۔

صائب باب۔ خیر۔ چلیے۔ صوفی گھڑی دو گھڑی رات اور باقی پہلی گھر
بچو گنا گنا رسک خیمہ میں چلنے سے نفرت نہ تو رات وہیں بسر کیجئے علی الصبح
غسل کر کے پاک ہو جائیے گا۔

مرشد۔ بہتر۔ دیکھا جائیگا۔ ایک بات تو بتاؤ تم کھتے ہو فلسطین میں جنگ
ہونے والی ہے۔ قسطنطنیہ مسیحی دارو ملکومت میں آجائیگا۔ سمجھتے ہو میرے
اپنے بھائیوں کی فوسر بڑی کب دیکھی جاسکتی ہے یہ نظر بہت خطرناک ہوگا
ابھی سے میرے واس گم ہوئے جاتے ہیں۔

صائب باب۔ اسکی آپ فکر نہ کریں جب تک میں آپکے پاس رہوں گا
آپکے زہر و یہ منظر پیش نہیں ہو سکتا اور نہ آپکے جسم میں ایک سولی چھپ سکتی
ہے۔ اب دیر کرنا فضول ہے۔ اٹھیے۔ میرے ساتھ چلیے۔

مرشد۔ یہ بتادو۔ مجھے بے جا کر کہاں رکھو گے۔ کیا اپنی لیدی من فلورا
کے کمرے میں بے جاؤ گے۔ جب اوس لیدی کے قہر میں اس حیثیت سے
جاؤ گیگا لوگ مجھے روکیں گے اور آپ بھی خفیہ ہونگے۔

صائب باب۔ جناب وہاں میرا حکم چلتا ہے جہلا ممکن ہے کوئی شخص
آپ کو ٹوک سکے۔ لیدی فلورا بھی آپ کی خدمت کرے گی۔

اس کے بعد صائب باب کنزل فرج وہاں سے اٹھا مرشد کا ہاتھ اپنے ہاتھ
میں سے کر اپنے کیمپ کی طرف راہی ہوا۔ چاروں طرف عزت و احترام کا اوردانی فرش
بچھا ہوا تھا۔ نیم سہری کے چھونکے دل و دماغ کو تازہ کر رہے تھے۔ مرشد اور
چلیے باغچہ کی سرکل سے ہوتے ہوئے اپنے کیمپ میں آئے۔ پہرے دار
سیاحیوں نے جو رند پرستے سلامی کی۔ صائب باب مرشد کو اپنے خیمہ تک

ہو چکا تھا۔ مرشد نے باقی رات کھاتے کھاتے گزار دی۔ منسلک پھر بھی نیند نہیں آئی۔

باب گیارھواں

سلطان قلعہ

ایمانہ القدر کے دوسرے روز مارا دوست راضی علی یوسف کے ہمراہ مسجد کی گلیاں سے ملنے گیا۔ علی یوسف نے پاشا سے ملکر راضی کا انٹرویو کر لیا۔ مسجد بک راضی کو وطن کا فرمانبردار سمجھ کر بہت خوش ہوا اس سے ہاتھ ملا کر بولا۔
راضی پاشا پاشا! شاہنشاہ! خداوند تعالیٰ تھا جسے جوش اور حریت میں برکت دے جس نے یمن میں تم جیسے پرجوش اور بہادر نوجوان جو وہ انشا اللہ ضرور کامیاب ہوگی اللہ اپنے مقصد کو حاصل کرے گی۔

راضی نے طلبِ حریت اور اپنے ماکنِ مقدسہ پر جان قربان کرنے کے لیے مکان نکلا ہون۔ مجھے اُمید بلکہ یقین تھا کہ خدا ہماری ضرورت مدد کرے گا اور ہمارے قومی شیرازہ کو توڑنے نہ دیگا۔ اگر ہم میں ایک دوسرے میں جھگڑا آدھی مائے بھی جائیں تب بھی مقصدِ عظیم کو نظر نہ نہیں ہو چکے گا۔ بلکہ ہماری دینی اخوت زمانہ کے ساتھ ترقی کرتی رہے گی اور ایک دن ہم اپنے مقصد کو حاصل کر لیں گے مشرک عیسائیوں کو ملک نکال دیں گے۔ اگر ثابت قدمی سے کوشش کیے گئے اور اپنے ہمتِ قلال میں ضعف نہ آنے دیا۔

سجید بک - بیشک ہماری کوششیں اس وقت کارگر ہو سکتی ہے۔ جب ہم یکدلی سے اس آئی جی بلا کی مداخلت کو یمن حکومت کا نظم کسی مذہب سے دیکھا نہیں جاتا۔ عیسائیوں کے ظلم و ستم مقدسہ مقامات پر دیکھے نہیں جاسکتے۔ اس لیے ہم سب کو یکدلی ہو کر متحد ہو جانا چاہیے۔ ہم تم سب سیمینہ سپر ہو کے لڑیں۔ ہماری کامیابی کا بہترین ذریعہ تلوار ہے۔ ہماری تلوار ان سے ہماری جوت کو اس کا سر کاٹ کر نکال دے گا۔ ظالم حکمرانوں سے اگر بغاوت ہو سکتی ہے تو ہمارے بہادر سپاہیوں کے ہاتھوں سے یہی ایک ایسی قوت ہے جو ملک کو چر و ظلم سے بچا سکتی ہے۔ اگر میان کے تمام مسلمان ہمارے ہمنوا ہو گئے تو کامیابی سامنے ہے ہم اپنی قومی فوج کی محبت

میں آسانی خواہشوں کو پورا کر سکتے ہیں اور کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں ہم آپکو قومی حریت کا دلدادہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم اپنی فوج کا سپر کمانڈر خیال کرتے ہیں۔ آج آپ ہماری فوج کے کمانڈر مقرر ہوئے۔

یہ ککر اسوقت شہر میں نقارہ بجا دیا کہ مسلمانوں کے تبرک مقامات اور زیارت گاہوں کو مشرکوں کے ہاتھوں سے پھانسی والے داراؤں اور فوجی کمانڈر سے۔ یہ بہادر جوان جس وقت جسکو حکم دے اُسے ماننا پڑے گا۔ اور جو گردن تالی کرے گا اُسے سزا دی جائے گی۔

سعید بک پاشا نے اپنی کمر کی تلوار رامن کو دی اور وہ سلطانی قلعہ میں اُسی روز سے رہنے لگا۔

ایک دن رامن نے سعید بک پاشا سے کہا۔ دو روز کی رخصت دیجئے۔ تاکہ سالونیک جاکر وہاں کے امراؤں سے مل لوں اور انھیں جنگ پر آمادہ کروں۔

سعید بک پاشا نے اجازت دیدی۔ دوسرے روز رامن سالونیک سوار ہو گیا۔ سالونیک میں پہنچنے کے کئی روز بعد بیت المقدس سے ایک خبر نے اچھر خوری۔

اسوقت گورنر جرعیس بہت بیمار ہے۔ جب تک گورنر کی صحت رو بہمت نہوگی۔ جنگ ملتوی رہے گی۔ لیکن لڑائی برسات کے قبل ضرور شروع ہو جائیگی پہلے سالونیک پر دھاوا ہوگا۔

سعید بک پاشا نے فوراً آدمی بھیج کر رامن کو طلب کر لیا۔ اسکا دل حمیدہ کا شوق تھا وہ چاہتا تھا کسی دن علی یوسف کے مکان پر جا کر حمیدہ کی زیارت سے آنکھیں سینک لوں۔ مگر سعید بک کے اصرار سے پلٹ آنا پڑا۔

فوج کو باقاعدہ ترتیب دینے کو اعدہ سکھانے قلعوں کی مرمت کرانے میں دن گزرنے لگے۔ شب کو میکروڈون سپاہی رامن کے پاس آئے۔ رامن انھیں صلح و اتفاق سے باہم رہنے کی ہدایت کیا کرتا اکثر مختلف دہات و قصبہ دورہ کر کے وہاں کے باشندوں کو جمع کرتا اور ان کو جنگ کے واقعات سے

آگاہ کر کے فوج میں بھرتی ہو جانے کی ترغیب دیتا۔ خبر رسائی کا انتظام کیا ڈاک کی سرکاریں درست کیں اور سرکار کے متعین کیے۔

سعید گیسپ پاشا کے کان تک جب رامن کی خوش انتظامی کی خبر پہنچی تو اس کی محبت اور بڑھ چڑھی۔ سوچا واقعی یہ جوان محب وطن اور قوم کا سچا خیر خواہ ہے یہ بہت وقت بابت میں دورہ کر کے وہاں کی رعایا کی ہمتوں کو بڑھا رہا ہے۔

الغرض رامن کی تحریکات استحکام عہد اور استقلال برقی رعایا نے حلف اٹھایا اور اس کی قوت زور و کبر پر بھی جتنی تمام فرقے کے لوگ اس کے ساتھ تھے اور جو حق جو حق تسلیم اس کے شریک ہوتے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد رامن کی شوکت نمایاں ہونے لگی۔ وہ بسطرت کل جاتا لوگ اس کا استقبال کرتے اور خدا سے دعا مانگتے

کہ وہ اس کو کامیاب فرمائے۔ اور قوم کے مقاصد حاصل ہوں۔ لوگ اس کے قائل ہو گئے۔ رامن تمام ملک مسیحی مظالم سے آزاد کرانا چاہتا ہے۔ یکایک اسے

کوئی اور ہی خیال دامنگیر ہو گیا۔ دل کو چہ جانان کی خاک چھاننے لگا۔ اس نے اپنی بوہوم اسید کو دیکھا کہ وہ ٹھہرائی ہوئی اس کے خانہ کے دل سے اس طرح نکل

رہی ہے جس طرح جانکنی کے وقت روح۔ خدا جاتے کیا ایسا صمد اس وقت اس کے

قلب پر ہوا کہ بے اختیار اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ سر ایک ہاتھ سے اور کلبجہ دوسرے ہاتھ سے تھا مگر رہ گیا۔ اور جب تھوڑی دیر میں طبیعت کچھ سنبھلی تو

خوش جنون کا زور ہوا حمیدہ کا خوبصورت چہرہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ رامن تنہائی میں خدا جاتے کیا کیا بائیں سوچا کرتا اس کا تو پتہ نہیں۔ مگر یہ ضرور کہا

جاسکتا ہے کہ جو شخص جسے پیار کرتا ہے وہ اسے اپنی آنکھوں کے پردے ہی میں رکھنا چاہتا ہے اس لیے رامن کی یہ غرض ضرور ہوئی جس طرح جو حمیدہ کو نگاہ کے

رد برد رہے۔ رامن اپنے جسم کا مختار ہے آزاد بھی ہے اگر وہ چاہے تو ابھی حمیدہ کے مکان پر جا سکتا ہے اور اس سے اپنے درد کی حکایت بیان کر سکتا ہے۔ رامن

دل میں ان باتوں پر بار بار غور کیا لیکن ملکی اور قومی فرض کی ادائیگی کے سامنے حمیدہ کی محبت اسے بالکل مٹے معلوم ہوئی۔ اسی لیے رامن نے اپنی بچی طبیعت حمیدہ

کے خیال سے ملوث ہونے دی۔ اور اس کا دھیان غمت پر ہونے کی کوشش

مین اکثر اچھا دے سے کام لینا پڑا شام کو جب چلتے تھے کسی بارغ کے گھر میں
جا نکلتا تو حمیدہ کی محبت اور جاہت اپنا زور باندھ دیتی اور خیال یا رک گلیوں
کی خاک چھاننے لگتا۔ مگر اُسے اس بات کی تقویت ہو جاتی کہ اپنے اس آئی ہونی
مہم کے دفعیہ کی کوشش کرنی چاہیے جب اس سے نجات ہوگی اسوقت دیکھا جائیگا
حمیدہ اپنی ہے اور مین حمیدہ کا۔

جولائی کا مہینہ۔ برسات کا موسم۔ سطح آسمان کا بے بادوں سے ڈھکی ہوئی ہے
مخبروں نے اسی موسم میں دشمن کے حملہ آور ہونے کی خبر دی ہے۔ بہادر مرزا کا میدان
کارزار دیکھنے کے شائق ہو رہے ہیں۔ رام نے سعید بک پاشا سے سائونیک
جانے کی درخواست کی۔ درخواست پر منظوری مل گئی۔ رام نے اسباب مفروضات
کیا۔ چلتے وقت سعید بک پاشا نے کہ دیا۔ دیکھو رامز وقت بہت خراب ہو
دیر نہ کرنا اسی ہفتہ کے اندر پلٹ آنا۔

بہت جلد پلٹ آؤنگا کہہ کر رامز وہاں سے رخصت ہوا۔ سعید بک پاشا
کی اجازت سے بارہ سپاہی مسلح ہر وقت ساتھ رہنے لگے۔

باب بارھواں

دریا کا ساحل

آج کل حمیدہ سے اچھی طرح کھانا بھی نہیں کھایا جاتا۔ بیچتی ہے تو بیچتی ہی رہتی
ہے لیٹی ہے تو بستر پر گھنٹوں لیٹی ہی رہتی ہے۔ رامز کی محبت بے طرح اس کے
دل کو مسل رہی ہے اس کے دماغ میں رامز کا خیال ہے اور خیال کے ساتھ
اسکی یاد۔ رامز کی آواز اس کے کانوں میں بھری ہے رامز کی صورت اسکی آنکھوں
کے سامنے پھر رہی ہے اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ کسی پیدا ہونے والے
سوج اور غور نے بلاے ناکامی کی طرح اس کے خون کو صفحہ لگا کر چس لیا ہے
اسکا بدن خیف و لاغر ہو گیا ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ ہڈیاں
نکل آئی ہیں۔

حمیدہ دوپٹے کے کونے میں خدا جانے کیا باندھے ہوئے ہے اسے وہ

سکڑ دن بارگھولتی ہے دیکھتی ہے اور چہرہ باندھ لیتی ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں دکھلاتی۔ خدا جانتے حمیدہ کو کون ایسی بے ہوش لگتی ہے جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے۔

آج چار پانچ سال حمیدہ کو روتے ہوئے رہا۔ پہلے تو وہ اپنے والدین کی یاد کر کے سسکے سامنے رو لیتی تھی اور اب دو چار آنسو بہانے کے لیے تنہائی کی خواستگار ہے۔ جہاں کسی آدمی کا نام نہ ہو۔ وہ چاہتی ہے ایسا نو کوئی آنسو کراتے دیکھے۔ کوئی پوچھ بیٹھے تو اسے کیا جواب دے گی روتے وقت کوئی آجاتا تو وہ بہت ہی بیتیابی سے اٹھون کی تری دمپٹے سے پوچھ لیتی اور کسی غم کی نظر نہ بڑے دیتی۔ کیا اسے کسی کا کچھ جھڑپا ہے جس سے وہ ہتھکڑی ہوئی ہے۔ کیا اس کو کسی نے کچھ کہا ہے جس سے وہ اتنا روتی ہے کہ دوپٹے کے آئینل تر ہو جاتے ہیں۔

زہرہ حمیدہ کی سہیلی ہے۔ کسی وقت حمیدہ زہرہ سے دل کی کیفیت کہہ ڈالتی تھی۔ لیکن اب وہ اس سے ہوتی بھی نہیں۔ اس کے سامنے اگر کوئی راز کا ذکر کرتا تو وہ دھڑکھڑکھٹے راز کا ذکر کرنا کرتی۔ راز کے اعلیٰ اضلاع اور اس کی نیک چلنی کے تو فیفون سے حمیدہ کا دل بہت خوش ہوتا۔ لیکن جب زہرہ راز کا تذکرہ کرتی اور اس کے صفات کی خوبیاں بیان کرتی تو یہ اس کو مارے دوڑتی۔ کون کہہ سکتا ہے اس کا سبب کیا ہے۔ زہرہ حمیدہ کو بہت پیار کرتی تھی۔ حمیدہ کی ایسی حالت دیکھ کر ایک روز اس نے اپنے باپ علی یوسف سے کہا۔ ابا جان حمیدہ بہت بیمار ہے۔ کسی حکیم طبیب کو دکھلاؤ۔ زہرہ کا باپ علی یوسف آجکل آجکل کہہ کر ٹال دیا کرتا تھا۔ باپ کے اس مایوسہ بخش جواب سے زہرہ کچھ کبیدہ ہو جاتی۔ حمیدہ کے پاس آکر پوچھتی۔ حمیدہ بہن! تمہارے قدم لیتی ہوں۔ سچ بتاؤ تجھ کو کون مرض ہے۔ حمیدہ کہتی۔ کماں۔ کچھ بھی نہیں۔

اس جواب کے زہرہ پر جھلاہٹ سوار ہو جاتی۔ یوریاں چڑھ جاتیں۔ تاہم وہ حمیدہ سے علیحدہ ہونا گوارا نہیں کرتی۔ سایہ کی طرح ہمیشہ ساتھ رہتی۔ جون کے مہینے میں زہرہ اپنی سسرال گئی۔ حمیدہ کو رونے کا اچھا موقع ملا

اوسے اپنے جسم کی بھی پروا نہیں۔ بال چکٹ گئے ہیں۔ مہینوں سے لگھی جوتی نہیں ہوئی۔ چہرہ صاف کرنے کا بھی اوسے شوق نہیں۔ نہ آنکھوں کو کاجل سے سروکا ہے۔ ان سب باتوں کی تاک زہرہ نے لیا کرتی تھی۔ اب کون اوس کے چہرے کی صفائی کرے۔ جب کبھی وہ غسل کرتی۔ ترابون کا جوڑا باندھ لیتی۔ ایک دن اوسے غسل کیا۔ دوران سر ہوا۔ ترستر کی زبان سے زمین پر گر پڑی۔ لرزہ آگیا۔ پندرہ مہینے دن ہو گئے۔ لرزہ چھوڑتا نہیں مہینے اور بھی لاغر ہو گیا۔ علی یوسف نے طبیب کو دکھایا لیکن حمیدہ نے نسخہ نہیں پیا۔ پاس پر ڈوسینوں کو حمیدہ کی زندگی میں شک ہو گیا۔ اب چار پانی سے پیٹھ لگ گئی۔ اٹھا نہیں جاتا بستر پر پڑے پڑے رویا کرتی ہے۔ زہرہ کی والدہ حمیدہ سے لاکھ پوچھتی ہے۔ بیٹی تجھے کس چیز کی حاجت ہو کون شوکھائے گی مرغوب ہے۔ نہ گا دون۔ وہ کچھ جواب نہ دیتی۔ صرف یہ کہہ کر ٹال دیتی ہے۔ اماں! اب مجھے شفا نہ ہوگی۔ دس پندرہ یوم کی اور معاف ہوں۔

حمیدہ کی عدالت سکر زہرہ دیکھنے کے لیے آئی۔ حمیدہ سے لگے ملکر چلے تو دیر تک رویا کی۔ پھر بولی۔

”ہن! مجھے میری سر کی قسم ہوں۔ خدا کے لیے بتائے کیا روگ ہو کون بیماری ہے۔“

حمیدہ۔ مجھے تو کوئی بیماری ہی نہیں۔ تم آگئی ہو۔ ساری اذیتیں رفع ہو چکی ہیں۔ کل چلو مسجد ایتنے جگہ نہ مانگ آؤں۔

زہرہ۔ تم تو غیف ابچہ استقدر ہو کیونکر چلو گی۔

حمیدہ۔ نہیں ہن! پہلے سے اب تو بہت اچھی ہوں۔ اتنی دور چلنا کوئی بڑی بات نہیں۔

زہرہ۔ اچھی ہو جانا۔ چلنا۔ مہینے لپٹے لپٹے منت نہ مانگ لو۔

حمیدہ۔ نہیں۔ تھیں میرے سر کی قسم۔ کل شام کو مجھے وہیں بے چلو میں تھا۔ شام کا سہارا لیے آہستہ آہستہ چلو گی۔ وہاں چلکر اسی پتھر کے درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہریں گے۔ وہ کیسی ٹھنڈی جگہ ہے۔ روح خوش

ہو جاتی ہے۔

زہرہ - اچھا۔
زہرہ مریضہ کو تسکین دے کر وہاں سے اٹھ کر اپنی ماں کے پاس آئی اور یوں

محسن سرا ہوئی۔
مادرِ باکلی مریضہ کو مسجد اقصیٰ تک لے جاؤنگی۔ ذرا ہوا کھا آئے گی۔

ماں - یہ نہیں ہو سکتا۔

اس دشمن جو اسے زہرہ فکر میں پڑ گئی۔

دوسرے دن حمیدہ نے زہرہ کو بلایا۔

زہرہ کسی دوسرے حجرے میں بیٹھی تھی۔ حمیدہ کی آواز سن کر پاس آئی اور

اُس سے بولی۔

”کیا نہتی ہو؟“

حمیدہ - چلو صبح صبح ہو آئیں۔

زہرہ - لے لو چلوں مگر آٹا نہ منع کرتی ہیں۔

حمیدہ - نہیں وہ منع نہیں کریں گی۔ جاؤ بلا لاؤ۔ میں سمجھا دوں گی۔

زہرہ - اسوقت آٹا نہ جان مکان میں نہیں۔ مسجد اقصیٰ دعا مانگنے کو

گئی ہیں۔

حمیدہ - پھر کیوں اس قدر فکر دانیگر ہے۔ چلو ہم تم بھی چلیں۔ بہت ہوگا خفا

ہوئیں گی۔ میں خوشامد کر لوں گی۔ آپ ماں جا بیٹھی۔

زہرہ - نہیں۔ نہیں۔ ماں کے خلاف قدم رکھنا کس نے کہا ہے۔ تم اونکے

غصہ کا حال جانتی ہی ہو ذرا صبر کرو۔ آتی ہی ہوں گی۔ آٹہ پوچھ کر چلیں گے۔

حمیدہ - اگر اٹھوں نے منع کر دیا تو جاننا محال ہو جائیگا۔ اور میرے دل کی

تمنا دل ہی میں رہ جائے گی۔ اور میں تم سے چھپاؤں کیوں۔ وہاں چلنے میں

میری ایک مراد ہے۔

زہرہ - کوئی مراد ہے۔ براؤ تو سی۔

حمیدہ - جب تم سب ال میں تھیں۔ میں نے ایک مراد مانگی تھی میں کہتا تھا

اب کی نوچندی کو خدا آمین راست لائے تو زہرہ کے ساتھ مسجد اقصیٰ جاؤ گی۔ اور
صحابہ کرام تم کے مزاروں کی زیارت کرو گی۔

زہرہ۔ مزاروں کی زیارت کرو گی۔ یہ کیوں۔

حمیدہ۔ تم جانتی نہیں۔ میرے پاس ایک گونے کا ہار ہے۔ لیکن یہاں ہو گیا
ہے۔ بن چاہتی ہوں ساتھ چل کر وہ ہار کسی مزار کے طاق پر بند کر دوں۔ کیونکہ
مجھے اپنی زیست کی امید شق قطع ہو گئی ہے۔ اور یہ پرانی امانت کہاں تاک
و دہیت رکھوں۔

یہ کہہ کر حمیدہ نے چادر سے منہ بند کر لیا۔ گفتگو کے سلسلے میں جو قطرات اشک
حدقہ چشم میں ڈبڈبائے تھے۔ گو حمیدہ نے انہیں سرعت سے پوچھ ڈالے تھے۔ مگر
زہرہ کی نگاہ پڑتی تھی اُسے پوچھا۔

”ہائیں بہن روتی کیوں ہو؟ کاہے کی فکر ہے۔ سچ بچ کہو کیا بات ہے۔ کیا
میں کسی سے کہنے بیٹھو گی؟“

حمیدہ۔ بہن! حقیقت میں میں اچھی نہو گی۔ یہ مرض جان لیوا ہے۔ اور مجھے
مرنے کا کچھ غم بھی نہیں اگر آج یہ ہار مزار پر چڑھایا نہ جائے گا تو مفضل ہی ہو جائیگا
زہرہ۔ وہ ہار کہاں ہے؟

حمیدہ۔ تم ہو جانے کے خیال سے آجیل میں باندھ رکھا ہے۔

یہ کہہ کر آجیل زہرہ کی طرف بڑھا دیا۔ زہرہ نے گردہ کھولی۔ دیکھا تو نے کا ہار خراب
ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔

زہرہ۔ کیا آج ہی یہ ہار مزار پر چڑھانے کا قصد ہے۔

حمیدہ۔ ہاں آج تو نوچندی کا دن ہے اس سے بہتر اور کون دن ہوگا۔

زہرہ۔ اچھا چلو۔ ہاتھ کے سہارے سے بھین پیے چلتی ہوں۔ اللہ کی مرضی
ہو گی تو امان جان سے پہلے لوٹ آئیں گے۔

لاغر اندام حمیدہ کو ناطاقت ہے مگر کسی اندرونی کشش کے زور دینے پر
وہ لٹک کر کھڑی ہو گئی اور زہرہ کے شانے کا سہارا دیتی ہوئی جیل کھڑی ہوئی جس
نوشی اور مسرت کے ساتھ اُس کے قدم پڑتے تھے معلوم ہوتا اسے کوئی مرض ہی

ہیں ہے۔

آج مسجد اقصیٰ میں نوچندی کا بہت بڑا میلہ ہے۔ عرس کی رسوم و عہدہاں ہیں۔ قوال قوالی گارہے ہیں۔ زائرین کا قحط جمع ہے۔ وہ بھڑکے کہ الامان۔ مسلمان بڑی بات سنائی دیتی نہیں۔

زہرہ حمیدہ کو ساتھ لے ہوئے اسکے بتائے ہوئے مقام پر آئی۔ مسجد اقصیٰ کے پائین باغ کے اندر کچور کا درخت تھا۔ زیر۔ درخت دونوں ٹوڑیں بجا کے کھڑی ہو گئیں۔

حمیدہ نے کہا زہرہ سے۔

”دیکھو یہ جگہ کیسی فرحت دینے والی ہے۔ اُس دن چاندنی رات میں اسکی جیسی ہمار تھی آج دن ہے اُجا۔ لے میں بھی ویسی ہی دیکھ رہی ہوں۔ جی چاہتا ہے یہیں جھوڑی ڈال۔ کر رہی ہے۔ ہم اور تم امان جان۔ لے کے ساتھ اُس دن بھی یہیں آئی تھیں۔ کتنی دیر تک یہاں کی ہمار دیکھتی رہیں۔ زہرہ کا دھیان کسی اور طرف تھا اسنے حمیدہ کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیا۔

حمیدہ نے پھر چھیڑا۔

”اُس دن تو یہاں بہت آدمی جمع تھے آج ایک بھی نظر نہیں آتا۔“
یہاں ایک درختوں کے کچے سے کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں کا غول نکلا۔ جن کے ساتھ بہت گھوڑے تھے اور وہ اسی طرف کو بڑھے جس طرف یہ دونوں دختران ماہ یہاں زیرِ غل ایستادہ تھیں۔ یہ لوگ آلاتِ حرب کے بالکل مسلح تھے۔ اور انکی ظاہری وضع بتا رہی تھی کہ یہ لوگ ترکمانی خاص ٹرپی کے باشندے ہیں۔

اس قدر دیکھنے کے بعد ہماری نظر ایک سوار پر پڑی جسکا گھوڑا سببِ رن کے حلقے میں تھا۔ مگر کس جیتی کے ساتھ زمین پر بیٹھا ہوا ہے کہ بدن کو ذرا جنبش نہیں یہ سب مسجد اقصیٰ کے پھاٹک پر آ کے ٹھہر گئے۔ بائیں روک لی گئیں۔ ان میں اس سوار کی نگاہ خدا خاے کس کی تلاش کر رہی تھی جو اپنے ہاڈی گارڈ سواروں کے حلقے میں تھا۔ اتفاق سے اسکی نظر ان دونوں بڑیوں زہرہ اور حمیدہ پر پڑی اسکا وہ خیال جو ابھی تک کشمکش میں تھا ہر طرف سے منھ موڑ کر شقیات نے

ہاتھ پھیلا سے بڑی بیتابی کے ساتھ حمیدہ اور زہرہ کی طرف چلا۔ شوق نے کچھ دل سے
کہا۔ دل نے اُس سے اور جس طرح سینے کے اندر کا یہ خوشی سے اچھل رہا تھا اُسی طرح
خود بخود شوق میں برٹھے ہوئے اُس کے قدم اٹھنے لگے۔

جس طرف زہرہ اور حمیدہ کھڑی ہوئی انھیں حمیدہ اپنی تقدیر کی طرف سے کچھ ایسی
بدگمان مٹی کی پر منظر اسے خواب و خیال سا معلوم ہو رہا تھا کیا وہی راضیہ جس کے
پے دل اس قدر بے چین ہے۔ کیا کشش محبت رام کو اس طرف کھینچ لاتی ہے۔ تقدیر
دھوکا تو نہیں دیتی۔ صورت شکل سے تو رام ہی معلوم ہوتا ہے وہی چہرہ مہرہ وہی انداز
اور وہی چال و حال ہے۔ خدا ایک وہی ہو جس کو میرا دل کہہ رہا ہے اس کے سر کے
پریشان بالوں سے اُڑتے ہوئے غبار اور خس و خاشاک کو بہت آفت سی معلوم ہوتی
ہے۔ مگر چہرے پر انسانی درجہ کی حسرت برس رہی ہے۔

حمیدہ کو ان خیالوں نے بے قابو کر رکھا تھا۔ رام کو اپنی طرف آنے دیکھ کر بھی چند
قدم چلی۔ نہیں۔ نہیں۔ دوری۔ اس کے ضعف و تقاہت نے تھوڑی سی دوری تک
ساتھ رہا تھا کہ آنکھوں کے چٹے اندھیرا لگ گیا۔ سر نے چکر کھایا اور حمیدہ دونوں ہاتھوں سے
سر تھام کر بیٹھ گئی۔ پھر اٹھی۔ پھر چلی۔ پھر بیٹھی۔ اور رام بھی اپنی محبوبہ کی جیوانی دیکھ کر
قویب ہی تھا کہ اس مسافت سے تنگ آئے بخود ہی کے عالم میں وہیں گر پڑے۔
مگر دل میں برٹھے ہوئے شوق نے بہت بڑی دستگیری کی کہ یہ گرتا پڑتا حمیدہ اور
زہرہ کے پاس پہنچ ہی گیا۔ حمیدہ نے پہلے شوق بھری نظر سے دیکھا پھر پردہ آواز
سے چیخ بھر کر روتی۔ سینہ میں کلوہ اوجھل رہا تھا۔ اور ٹھنڈی سانس لینے کی کواڑ بھی
کچھ یونین سی نکل رہی تھی کہ بخود ہی نے دھرد بایا۔ یکبارگی حمیدہ کے اعضا میں جنبش
ہوئی۔ پانوں ڈنگ لگے۔ ہاتھ خراکے۔ اور وہ بیہوش ہو کے تراق سے زمین پر پھرا
گر پڑی۔

رام نے جب اسے غش کھاتے اور زمین پر گرے دیکھا بیتابی کے ساتھ کرب آیا
اور حمیدہ کا سراپے زانو پر سے اُٹھا اور وہاں سے اس کے چہرے کا پسینہ پونچھنے
لگا۔ جو لوگ اُس کے ساتھ کھڑے تھے انھوں نے دیکھا کہ رام نے کس چشم سے بھی
اشکوں کی لڑیاں ٹوٹ رہی ہیں۔

زہرہ روئے روئے بولی۔

”پیارے راجا! بڑی قیامت ہے حمیدہ بہت ہی نقیبہ ہے اتنی دوجیکر یہاں آئی۔ منعوت نے دبا یا۔ اور وہ فحش کھا کے زمین پر گر پڑی لٹک پر ہاتھ رکھ کر ذرا دیکھو سانس کی آمد و رفت میں تو کمی نہیں ہو گئی۔“
راجا نے بھی حمیدہ کی ناک پر ہاتھ رکھا دیکھا سانس میں کمی طرح کا شور نہیں۔
زہرہ سے کہا۔

”ڈرو نہیں۔ ابھی طبیعت بحال ہوئی جاتی ہے۔ ذرا چہرے کو ہوا دو۔“
زہرہ دوپٹے کے آئینل سے ہوا دے لگی۔ راجا نے ہاتھ پاؤں سلائے جس سے شور مچا دیر میں حمیدہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر نظر ٹھکانے نہ تھی۔ پرٹ پرٹ آنکھیں پھر اگر ادھر ادھر دیکھا اور گھبرا کر کہا۔ راجا! پیارے راجا! جس کے جواب میں اپنی ٹرکٹی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں میں حاضر ہوں میرے چہرے پر نگاہ ڈالو۔“

حمیدہ یہ سن کر اٹھ بیٹھی اور بولی۔ پیارے اچھے تو ہو۔ تم کہاں تھے۔

راجا اس کے جواب میں کچھ کہا پتا تھا کہ جوش گریہ اور گندری ہوئی مصیبتوں سے یاد آکر اس کی زبان تھام لی اور یہ زار و قطار روئے لگا۔
زہرہ نے راجا کا ہاتھ تھام لیا اور تسکین دینے لگی۔

”یہ روئے کا وقت نہیں۔ خوشی کا وقت ہے۔ اب آرام سے بیٹھ کر سنو۔ جو بوجھ کا شکر کرو کہ اسے حمیدہ کی دروہت جیات تلف نہ ہوتے دی۔ وہ زندہ پامنی لگی ہوئی ہے۔ اس پتی ہوئی زمین اور جلی ہوئی دھوپ میں پیادہ پاتھارے سائے پوشش میں یہاں آئی ہیں اب کسی سایہ دار درخت کے پتے چل کر بیٹھو۔ اور وہاں بنی اپنی بچی سناؤ۔“

دونوں آگے کر ایک سایہ دار درخت کے پتے بیٹھ گئے اور اپنی ٹانگوں داستان کے حوالی سے بیان کرنا شروع کر دیے۔

باب تیرھواں

ساونیاک پر حملہ

موسم برشکال کے آخری حصے میں گورنر جنرل جیس کے لشکر نے ساونیاک کا محاصرہ کیا
فوجی جنرل یا برٹس کمانڈر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کچھ پلٹنوں کو
ساونیاک پر دھاوا کرنے کا حکم دیا اور کچھ رسالوں کی معیت میں مسجد اقصیٰ مسجد
حرام اور دیگر اماکن مقدسہ کو محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور چار سو سب سے آگے خبر دی
کہ مسیحیوں کے سپہ سالار صاحب گس پہلے یہاں کی زیارت گاہوں پر حملہ کریں گے
یہاں کے تبرک مقامات کو غارت کر کے ہیت الامارہ قسطنطنیہ پر بزن بولیں گے۔
اس صہرنگن خبر سے باشندگان شہر کے حواس خطا ہو گئے مگر سعید بابک پاشا کے
تقویت دینے سے رعایا کے دل میں جوش و خروش کا دریا امانڈ پڑا۔ اور سینہ
پیر ہوائی زیارت گاہوں کے محافظ بن گئے۔

سعید بابک پاشا نے پانچ ہزار ہزاروں کی باقاعدہ فوج رامنڈ کے حواسے کی
اور حکم دیا کہ مسیحیوں کی تقدیم نہ کریں۔ اور چھ ہزار جوانوں کے رسالے میں مسجد
اقصیٰ مسجد نبوی مسجد حرام کی حفاظت پر کمر بستہ ہو گئے۔

اور دھرم مسیحیوں کا غنیم انسان لشکر محرمواج کی طرح جوش مارتا ہوا حلاوت ہوا
اس کے آگے بوا فر ہے وہ تو کچھ شناسا معلوم ہوتا ہے۔ ناظرین آپ بھی پہچان
گئے ہونگے یہ صاحب بابک ہے۔ سلاوونیاک کے قریب ایک وسیع میدان میں
چھوٹکرا کے علم سے خیمے استادہ کر دیے گئے۔ فوج میں اوترون لشکریوں کی جمع سے
دور دور تک آدمی جی آدمی نظر آرہے تھے۔

برسات کا موسم ختم ہو چکا تھا سفید بادلوں کی زمین نیلگین آسمان نظر آنے لگا۔
رات کے وقت ایک بہادر جوان ساونیاک کے قلعہ کی چھت پر کھڑا ہوا۔ غنیم کی
فوج کا حساب رہا ہے۔ سناٹا چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔ کبھی کبھی سپاہیان
کے گانے کی آواز اس سنائے کو توڑ دیتی ہے۔ کبھی سپاہی مسلح قلعہ کے چھانک پر
کھڑے ہوئے پھر اسے رہے ہیں۔ دفعہ دہا نا توپ کی آواز آئی اور

آسمان کی غنائیں ہل گئیں۔ ہمارا شیر دل بہادر رافضی توپ کی آواز سن کر ہام مقف سے
بچے اتر آیا اور کسی طرف جلتے کا ارادہ کیا۔

اتنے میں پھر دنا ٹا ہوا۔ توپ کی حبیب آواز سے زمین کانپ اٹھی۔ رافضی نکل
کھڑا ہو کسی عویہ میں پڑ گیا۔ ناگمان ایک سوار گھڑا پھینکا۔ ابو الواسلی جاسب آیا
اور فریاد کی دشمن کے کثیر لشکر نے قلعہ پر دھاوا بول دیا ہے۔ قلعہ شکن توپوں کی آواز
آوازوں سے ہمارے لشکر میں تلنگہ بڑ گیا ہے۔ لوگوں کو یقین ہے غنیم کی پیش قدمی
اگر روک نہ دی گئی تو لالچالہ ساوونیک پر دشمن قابض ہو جائیگا۔ لوگوں کو یہ ایمان
پہنچایا ہے غنیم کے لشکر سے متواتر گولے چلتے گئے ہیں اور بڑی تیزی اور استعداد سے
گولہ باری ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے دشمن کے پاس کثیر لشکر ہے اور اصرار ہے
چھ ہزار جوان۔ کسی طرح حریت کو روک دینا چاہیے تاکہ ہمارے افسر سعید بک
پاشا جان بچو بند ہو جائیں۔ در نہ قلعہ ہاتھ سے نکل جائے گا احتمال ہے۔ اس دشمن
خبر کے سنتے ہی رافضی کی بیٹھ سے قمر کی جگہ دیان پھوٹ نکلیں وہ بیچ و تاب کی حالت
میں قلعہ کے اندر آیا اور کہنے ہی نکل دیا گھل کی آواز سے پانچ ہزار فوجی جہان
میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ رافضی بھی ہنگامہ نہ دینکا نہ فوج مدد میں نہیں پہنچ
کے ارادہ سے تندر تھوڑا سیپا ہر سوار ہو اور پانچ ہزار ترکوں کی جماعت میں
دشمن کی طرف رخ کر دیا۔

گورافضی پنے رسالے کے ساتھ غنیم کو روک لینے پر مستعد ہو گیا ہے تاہم راستہ کی
خبر ایوں کی وجہ سے حریت کے پڑاؤ تک نہ پہنچ سکا وجہ یہ تھی آگے
دلدل تھی گھوڑوں کے پاؤں دشمن نے لگے تھے۔ اکثر سوار جھونکا کھا کر گر پڑے۔
صفین بالکل اتر ہو گئیں اور گھوڑوں نے جب زور کر کے نکلنا چاہا تو ان کے
سموں سے کچھ اوڑھوڑ کر تمام سپاہیوں کی ورویہ پڑنے لگی۔ بمبائل تمام وہ سب
دلدل سے نکلے۔ ادھر غنیم کا لشکر ساوونیک کے متصل پہنچ گیا ہے۔ کرنل فوج
گولہ باری کا حکم دیدیا ہے۔ گولہ اندازہ چلتے تھے کہ ہم جلد اس پڑاؤ کا خاتمہ کریں
اور قلعہ ساوونیک پر ہمارے جہل کا پھر ہر انفرائے۔

سعید بک پاشا کے کچھ رسالے غنیم کی فوج کے مد مقابل بنے۔ دونوں فوجیں ٹوٹے

لگین۔ لاشوں کی تعداد لمحہ بلحہ زیادہ ہوئے لگی۔ زخمیوں کے کراہنے سے دونوں طرف کے سپاہی بدلہ لینے کے لیے دل توڑے توڑے کے دائرہ میں رہے تھے۔ گونا گوں بوچھاڑ کی یہ حالت تھی کہ ہر مرتبہ صف کی صف کی غارت ہو جاتی تھی۔ کوئی تو مر گیا تھا اور کوئی موت سے مطلوب ہو زمین تڑپ رہا تھا۔

عین گرمی جنگ میں ایک نوجوان شہید یزدند تیز کر کا تا بجلی کی طرح وار کر رہا جو اس کی تلوار کی ضرب سے سیکڑوں مسیحی انسر زمین کے پیوند ہو رہے ہیں۔ وہ نوجوان کون ہے۔ راز عین گرمی جنگ میں مدد اپنے جاننا سپاہیوں کے حریت کی فوج سے دوچار ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ لاشوں کے انبار کے قریب کھڑا ہوا ہے چاروں طرف غضب کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ دوست دشمن کی تیز نہیں جو جس کے سامنے آجاتا ہے فیصلہ کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی توپ کا جلا ہوا اگر نہ میدان کا رزار میں بھٹ کر سیکڑوں آدمیوں کو فی انبار کر دیتا ہے۔ ترکوں کی ثابت قدمی اور بہادری سے دشمنوں کے دل میں ہراس پیدا ہونے لگا اور ان کے ہاتھ سست پڑنے لگے۔ غنیم کے لشکر کا فوجی کمانڈر فوج کی یہ تبدیلی دیکھ کر گھبرا یا اور سوچنے لگا ان شہیدان وطن کی فوج کا سامنا ہماری فوج کر نہیں سکتی۔ بھاگا ہی چاہتی ہے۔ اُسے رام کو دیکھا وہ کس طرح بڑھتا چلا آتا ہے۔ اُسکے منہ سے یہ جملہ نکل رہا ہے۔ بہادر و قوم کا پاس کرو۔ تہمت انفرادی سرسار کے شہر ہست۔

اُس کے اس جملے پر ترک دیوا سے ہو ہو کر حملہ کر رہے ہیں اور غضب کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ بہادر راز نہنگا نہ و بنگا نہ فوج عدو میں ٹھس گیا اور مسیحی لشکر کے کسی بچہ کی چھاتی میں سنگسں بھونک کر ضیغ دار لغہ مارا بھاگتا فوج ہست خراک ہست۔ ثابت قدمی سے ردو۔ مسیحیوں کا طبقہ ہماری کوششوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس سے تمھاری تلوار دن کو حریت کے لشکر کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

اس وقت جنگ میں بھرل چل ہو گئی۔ راز کی حیرت انگیز شجاعت سے ہر ترک کے خون میں گرمی آگئی۔ دو دوستی تلوار چیلنے لگی رشتوں کے پٹے لگ گئے خون

دریا بنفہ لگا

اب تک یہاں کی فوج کے سرخوش سپاہیوں کے ہرے ارادوں کو بھاری
سامنے کے جوانوں کی خوبنارگوئیوں سے روک رکھا تھا۔ قدم اٹھائے۔ ترکوں نے
جہلیت کے رسالوں کو تلوار کی دھار پر رکھ دیا تھا۔ یکایک یہی لشکر میں پھر خوش
بڑھا۔ تلوار شہا شہب پہنے لی۔ اور سرگیند کی طرح میدان میں دوڑنے لگے۔
یہیوں کی وہ جہاز برقی کرکان دیے آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ غور سے ٹولی کھا کھا کر
بہانے ہوئے ہوائ سے اور جا بجا ترک کر رہے تھے۔ ترکوں کی تیہوں کے
سچے پچھلے رہے تھے۔ بالآخر سعید یکا پاشا کی فوج کی تیہیں اور رامز کے
لشاکر کے واسطے بالکل ہیست ہوئے۔ قریب ہی تھا کہ ان کے دم اٹھ جائیں کہ
رامز فوج عدوت اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا اچلا اور اپنے ہست ارادے کے لشکر کے
ہست ہی پر خوش اچھین کئے لگا۔

شہا شہب شہا شہب !!! کیا خوب داد شجاعت دے دے رہے ہو گہرا مانہیں۔ یہیں
ایک ہی صف کی دیر ہے۔

ترکوں میں پھر خوش و خوش بڑھا۔ مسیحیوں کے دانت ٹٹے کر دیے دفعتاً ایک
تہا لشکر دریا کی طرح شمال جانب سے اسٹا تا بعد انظر اناہ ترک فوج سینہ سپر ہو کر
نئی تازہ دم فوج کو روکنے پر مستعد ہوئی سنگین ہاتھوں میں تیہیں جو بہت ہی مفلحانے ملے
دشمنوں کے سر دینے میں غصہ غصہ کر ہوئی یہی تیہیں گراں نئی تازہ دم فوج کو
دیکھ کر ترک بھڑاس منتشر ہوئے قدم اٹھ گئے بہادر رامز میدان جنگ چھوڑا
نکلیا۔ تیہیں سے اس دیر ہی اور اس شجاعت پر پانچزار سورما ترکوں میں صرف سو
سورما ہی رہے کاتے کسی مرث چل دیے۔ میدان جنگ مسیحیوں کے ہاتھ آیا۔
سالوٹنگ کے قلعہ پر مسیحیوں کا نشان ہوا لگا۔

وہ دیکھ مسیحی لوگ قلعہ کی پشت پر کھانک توڑ کر اندر گھس آئے ہیں۔ توہوں کے
گولوں سے قلعہ کی دیوار میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئی جاتی ہیں۔ مسیحیوں کی تلواریں چاؤڑا
اور دیان کے باشندوں کو خیر بکری کی طرح کاٹ رہی ہیں۔ سعید یکا دوہزار ترکوں
کی جماعت سے مسجد قضا بیت الحرام اور مسجد نبوی کی حفاظت پرستے۔ ترکوں کو

بہاؤ شاگرد مسیحیوں کے مقابلہ پر آئے۔ چونکہ ہوا بکری ہولی تھی۔ مقدس
کو کچھ اور ہی منظور تھا تا بے مقادیر نہ لائے انجام۔ ہوا بکری پر لگے۔

باب چودھواں

راہز ہادل شکستہ میدان عمان سے چند سواروں کی جماعت میں کل کھڑا ہوا۔
اب فکر لاحق ہو گئی ہے کسی طرح مسجد مقدس اور مسجد بنوی اور دیگر مقدس مقامات کو
مسیحیوں کے دست برد سے بچائیں۔ راستے میں خبر سنی گونہ جھین کلون جزل
کثیر لشکر آیا ہے۔ ہفتہ دو ہفتہ میں اماکن مقدسہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ لاہور
اپنے راہوار کی بائیں مسجد اقصیٰ کی طرف غفلت کر دی۔ جسم پر پیکاروں فریاد
اچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کمر میں بیخ اصفہانی شک رہی ہے۔ غروب آفتاب
قبل مسجد اقصیٰ کی پاک سرزمین میں پھونک گیا۔ وہاں آگے دیکھا ہزاروں کی
تعداد میں دین بنوی کے قائل اسلامی اخوت کے پیرو۔ مسجد بنوی کا احترام قائم
رکھنے کے لیے مع ہو چکے ہیں۔ جسے دیکھ کر نشہ جرات سے سرشار اور حق کی
حایت اور باطل کی بیکاری کے لیے تلوار نکال چکا ہے۔ ہر فرد بشر کے لبوں سے
یہی کلمہ نکل رہا ہے۔ ہم اپنی جانوں کا اٹلاٹ نہیں چاہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں
ضایع ہو جائیں گے مگر اپنے دینی تقدس پر آج نہ آنے دین گے۔ اپنے مہدوان میں
غیر مسلم کے قدم نہ پڑنے پائیں گے۔

راتے میں علی یوسف کے ہنولی نادر اٹھائے ملاقات ہو گئی۔ رات کی خون آلود
پوشاک دیکھ کر اسے سخت رنج ہوا۔ آنسو پڑے۔ پوچھا
صاحبزادے! اتھاری پوشاک پر یہ خون کے دھبے کیسے۔ سارو نیک کا کیا حال
ہے۔ کیا جنگ میں تم نے بھی حصہ لیا تھا۔

راہز۔ کل شب کڑ سنوں نے قلم پر دعا لکھا تھا۔ حالانکہ ہمارے جنگجو نیک
اس وقت غفلت میں تھے۔ بہتیار زیب تن نہ تھے اور ہاتھ قاعدہ صافین مرتب
حقین پھر بھی مردانگی کے جوہر دکھائے اور اپنے نصب العین کو ہتھیاروں اور پیر سے

یقین کے ساتھ برقرار رکھنے کی کوشش کی مگر افسوس۔ قدرت کو منظور ہی نہ تھا
صبح ہوئے ہی اسلامی جدوت پر پانی پڑ گیا۔ حریفوں نے قلعہ میں آگ لگا دی
مسلمانوں کی خواہشات کی تکمیل ہو سکی۔

نادر آغا۔ سعید بک ہاشاک کیا ضر ہے۔

راہز۔ وہ قید ہو گئے ہونگے یا جنگ میں کام آگئے ہونگے۔ دہلی ہزار ترکوں
میں صرف دو ہزار ترک باقی رہ گئے تھے۔ مسیحیوں کی کثیر تعداد فوج کے
ساتھ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ قلعہ ساونیک پر ضرور دشمن قابض ہو گئے ہونگے
اور قلعہ بک قتل و خونریزی ہوئی ہوگی۔

نادر آغا۔ کیا سعید بک پاشا سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔

راہز۔ کل مغرب کے وقت ہوئی تھی۔ وہیں فرشتوں نے فرشتے میں آئی۔ چیر
گورنگا کوئی ٹوپی اندر مسجد بنوی۔ بیت اہرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف کثیر شکر کے
آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے سعید بک صاحب پانچ ہزار فوج میرے ساتھ کر دی
اور فرمایا ان بدخواہان مذہب کو ادھر آئے سے روکو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔
مسیحیوں نے شب کو اپنا ارادہ نسخ کر کے پہلے قلعہ ساونیک پر بزن بولا۔ چنانچہ
سرفروش ترک کثیر تعداد کے ساتھ اس خانہ بہ میں کام آئے۔ میں نے دیکھا کہ ترک
سے سر ہونا محال ہے چنانچہ افسوس کو لیکر محبت میں ادھر اکل آیا۔ اوس روز سے
بہر ملاقات ہو سکی۔

نادر آغا۔ (پیشانی پر ہاتھ مار کر) رام! امین سمجھ گیا۔ ہاے دارالسرور قسطنطنیہ
بھی آخرت آسلا والی ہے۔ مسلمانوں کی آزادی اور حریت تشریف لے گئی
افسوس دین ہوئی بہر قیامت آئی جاتی ہے۔ ہماری متفقہ کوششیں ناکام
ہو رہی ہیں۔ مجھ نہیں سعید بک ہاشاک قتل کر دیے گئے ہوں۔ تمہارا
لوگوں کی خبر نہ نہیں لگی۔

راہز۔ نہیں۔ یہاں تو فضل خدا ہے۔ جیم چوٹوں سے محفوظ رہا ہے۔ صرف
مسیحیوں کے خون سے میرے کپڑے تر ہو گئے ہیں۔

نادر آغا۔ مجھے بھی پہلے خبر ہو چکی تھی۔ صاحب بک پاشا فوجی کما تر بیک

فوج کی جماعت سے ادھر آنے والا ہے۔ آج مغرب کے وقت جاسوسوں نے خبر دی کہ
سیکڑوں مسیحی اہل قریب پر ڈکڑاں چکا ہے۔

اجازت۔ ممکن ہے کل تک گوندہ باری شروع ہو جائے۔

نادر آغا۔ افسوس۔ چارے پاس باقاعدہ فوج نہیں۔ جس قدر انوہ آپسے پیش نظر
ہے۔ ان میں ایک بھی فوج جنگ سے واقف نہیں۔ کوئی سوداگر۔ کوئی بجا در۔ کوئی
کاشتکار یا کوئی مہاجرین ہے۔ جنگی قابلیت سے بالکل کورے ہیں۔ سعید پاشا کی بات
فوج شکست کھا گئی تو ان پھیروں سے کیا ہو سکتا ہے۔

راہز۔ اسکی فکر نہ کریں یہی لوگ تیغ آزمائی کے جوہر دکھائیں گے۔ سعید پاشا کی
فوج روپیہ کے خاطر جنگ کرتی رہی براہر یہ لوگ دین نبوی کے جوش میں اور قوی
انصاف و قیادت رکھنے کے یہ سینہ سپر ہو کے رہیں گے۔ دشمنوں کے خون کی نہریں
بہائیں گے۔ ان میں دیکھتا ہوں بہت بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ اسکا اثر بہت
توت کی طرح ہے۔ تو میں ہوج چکا ہے۔ یہ اس پرگزیدہ قوم کے فرزندان رشید ہیں
جنگی تلواروں سے تمام دنیا میں پھیل گئی تھی۔ میری دانست میں یہ نواں بہت
ہی خطرناک ہوگی مگر ایک بات کا خیال رکھنا چاہیے اس شکست کی ضرورتیں کوئی
قلعہ میں مل چکی ہے۔ اسی کے کاغذوں تک نہ پہنچ سکے ممکن ہے یہ لوگ گھٹین اور گھٹا کر
جھاگ کھڑے ہوں۔

نادر آغا۔ بہتر ہے۔ جہانک ہوگا اس خبر کو طشت از بام نہ ہونے دوں گا۔ تھکے ہوئے
کچھ دیر آرام کرو۔ ایک بات ذہن نشین رہے۔ مسیحیوں کا سایہ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی پر
نہ پڑے پائے۔

راہز۔ ہم قتل کریں گے اور شہید ہونگے بغیر اسلامی جانین قربان ہونے ہمارے
سعدون کو بچنا محال ہے۔

یہ کہہ کر اٹھ کر ابو ادریس گئیں چپے ترے پر بستر جمائے آئے والی مہم بغور کرنے لگا
جو مالک کو منقول ہوگا وہ ہوگا۔ فتح اپنے اختیار میں نہیں۔ اگر کہ شہید ہو جانا اپنے
انتہا میں ہے۔ بہادران میں نام ہو جائے گا۔ چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اور
یہ دن بھر کا تھکا چکی تھا۔ آنکھیں چھپک گئیں۔ بستر پر لیٹ رہا اور بہت جلد

ہند کا مڑہ لینے لگا۔

ادھر صاحب بک آئے وہ کار سپاہیوں نے ہند بھر کر آرام نہ کیا تھا کہ خیاری کے بگل نے انہیں چونکا دیا اور دنیا کی طرف رخصتی لگا ہوں سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ آج ان سب کے دیون میں بھی یہ جوش بھرا ہوا تھا کہ جس طرح ممکن ہو ان ترکوں کی بومیان فوج کھائیں جو ہمارے مقابلے پر جانفروشی دکھائے آئے ہیں۔

اسوقت سپاہیوں کی مستعدی اور ان کے تھکائے ہوئے چہروں سے جو غصہ میں سرخ ہو رہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں اتھالی درجہ کا جوڑ بھرا ہوا جو موت کا دراصلی خوف نہیں۔

صاحب بک بھی غصہ میں بھرا ہوا ہے اس کے حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اسے قصد کیا ہے اس پر جان گوارینا کوئی بات نہیں ہے۔ اُسکی جڑ بھی ہوئی یوزیان غصہ سے سرخ چہرہ غضبناک آنکھیں اور ساتھ ہی تندہ نظر سے بار بار لمحہ کو دیکھنا یہ بتلا رہا ہے کہ آج اسے فتح کی قسم کھائی ہے۔ اسے اپنی فوج کا رخ مسجد اقصیٰ بیت الحرام اور مسجد نبوی کی طرف کر دیا۔ گو نہ باری شریع ہو گئی لڑائی ہونے لگی۔ تمام میدان تو یوں کی گرج سے گونج اٹھا۔ ہر طرف دھواں چھا گیا۔ تھوڑی دیر میں مسجد اقصیٰ کی جماعت میں بیدنی ظاہر ہوئے لگے۔ اور وہ رک رک کر دار کرے لگے کیونکہ وہ فنون جنگ سے آگاہ نہ تھے۔ رام نے جو یہ کیفیت دیکھی وہ فوج کے آگے کھڑا ہو کر پر زور نفلوں میں اس طرح گویا ہوا۔

ہاں بہادر وادین اسلام کے پیچے پیرو۔ کئی روز سے تم یہاں جمع ہو۔ دیکھو خدا کے سامنے شرمندگی نہ حاصل ہو۔ بڑھتے چلو اور ان بدخواہان ملت و مذہب کو آگے بڑھنے سے روک دو۔ تمہاری تلوار اُسی آغ نہ سہم کر وہ خود بھاگ جائیں گے تمہاری بہادری دیکھ کر ان کے دونوں میں خوف پیدا ہو گیا ہے۔ صرف ایک حال کی ضرورت ہے۔ فتحیاب ہو جاؤ گے سر فروئی کا تمہارا ہے شاید یہ بڑے ہو گئے تمہارا خدا حافظ ہے وہ تمہاری چہل بازی کو ابھی طبع دیکھ رہا ہے۔ یہی وقت تمہیں ہلاکی کے دکھلانے کا ہے۔

اتنا سنتے ہی ترکی رگوں میں باد بھی جوش پیدا ہو گیا۔ رام نے اُن کی طرف اشارہ کیا۔

تقریباً ہر سنگر کل فوج میں بے چینی پھیل گئی۔ اور سپاہیانہ خون ادنیٰ رنگوں میں جوش مارنے لگا۔ چہرے آگ کی طرح لال ہو گئے اور اشد اگبر کے نعرے کرتے ہوئے مارے غیم کی پیش قدمی روکتے رہے۔ اور نہایت تیزی سے مسجد کے چھاٹک پر آہنی دیوار قائم کر دی۔

مورخ کی طرح مسیحیوں کا لشکر میدان میں پھیلا ہوا تھا۔ کون شمار لگا سکتا ہو برسات کے بادلوں کی طرح فوج مخالف نے چاروں طرف سے ان فدا کیاں کو اور جان نثاران وطن کو محصور کر لیا۔ دس ہزار سواروں کے فوجی دستوں کو چھراہ لے کر جڑی صائب بک آگے بڑھا۔ اور جیون جیون وہ قریب ہوتا جاتا تھا اور اس کا جوش اور ترقی پذیر ہوتا تھا۔

ادھر قومی احترام پر مٹے ہوئے غازیان اسلام کٹ مرنے کو جنگ کے بحر میں ان میں کود پڑے۔ جانبین کے سرفروش سپاہی ایک دوسرے سے گٹھ گئے۔ رٹائی بہت خوفناک صورت پکڑ گئی۔ مسیحیوں کا پہلا دھما بیکار گیا۔ مسجد قلعے کا چھاٹک نہیں ٹوٹا۔

دوسری مرتبہ چورس ہوئی۔ صائب بک جانبار سپاہی اپنی جانبین پیکر تفصیل کے پاس آگے فوراً سرحدیان لگا کر اوپر چڑھنا شروع کیا جسے دیکھ کر بقیہ فوج بھی سمت کفصیل کے پیچھے آئی اور گولہ باری کا موقع نہ رہا ٹھوڑے ہی عرصہ میں صائب بک کے فوجی انفر فٹنڈون کی طرح مسجد قلعے کے وسیع محکم میں داخل ہو گئے اس وقت دن کے چار پانچ بج چکے تھے جب یہ فوج مسجد قلعے اور سمیت اعزام تین۔ تین ہوئی۔ آصابائی خوفناک جنگ دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اس میں حرارت اور تیزی کا نام نہ تھا جو کچھ دیر پیشتر تھی جس وقت جزل صائب بک چھاٹک توڑ کر مسجد میں داخل ہوا اور نعرہ دیا اس کی فوج آواز نے ہمارے شیر مرد راہ کے کان ٹھوڑے کر دیے۔ وہ شمشیر برسنے لگا۔ صائب بک پھبٹا۔ اس جہاد شیر نے صائب بک جزل کے حواس کھو دیے وہ فوجی شیر اور حملہ کر رہے تھے دونوں کی تلواروں سے آگ کی جگہ ریان نکل رہی تھی۔ ایک ایک ہاتھ آوازوں کے ساتھ آگے دوڑنے لگے دونوں شجاعوں نے ایک دوسرے کو کھڑکھڑا دیکھا صائب بک نے ٹھوڑے کی باگ دوسری جانب پھیری اور راہ کی فوج آستام تلوار چڑھائی

مرنے میں چند سر دشمنوں کا خون چلتے ملے۔ اوس کے حالی نہ جانے واسے پرچھے کی قدر سے یکمردوں مسیحوں کے سینے فرکات ہو گئے۔

مرنے لڑتے راہ غنیم کے دل میں گھس گیا۔ اُس کے شانے پر دو جگہ تلواروں کے زخم پڑ گئے ہیں۔ لیکن اوسے کچھ پروا نہیں اسی طرح جوش و خروش کے ساتھ صفائی تیغ خریفوں کا خون بہا رہی ہے۔ ناگہان کسی حریت کی پھینکی ہوئی برجھی اوس گھوڑے کے شکم میں لگی۔ رام نے پلٹ کر دیکھا ایک مسیحی اوس کے دنبال میں برجھاتا چلا آ رہا ہے وہ چاہتا تھا: امر کو زمین کا پیوند بنا دے۔ اتنے میں اس بہادر ترک نے ایک البانیا ملا ہوا ہمارا مسیحی سپاہی کا برجھا محک ہو کر دو جاگرا۔ اب کیا تھا مسیحا کا خون ادا تھا۔ کوئی چاس جوان یکدم سے رامز پر ٹوٹ پڑے چاہتے ہیں اس۔ جسم کو خیمہ کر ڈالیں۔ اتنے میں مسیحوں کا سپہ سالار صائب بک فوراً زور سے چلا اٹھا۔

”خبردار اس ترک پر کوئی شخص ہتھیار نہ چلائے۔ بلکہ عزت و حرمت کے ساتھ بہادر کو زیر و راست کر لو۔ ہی وقت غزائیں کی طرح چار پلخاری سپاہیوں نے رامز کی میں پھنڈاؤ لکھراست میں کر لیا۔

اب مسجد نبوی کے احرام کا خیال کس میں ہے کون دشمنوں کو روک سکتا ہے رامز کی گرفتاری کی خبر نادر خانے کا خون تک پہنچی سننے ہی گویا اونکا بازو ٹوٹ گیا آنکھوں تلے اندھیرا چھایا۔ پلٹ کر دیکھا مسجد اقصیٰ کے نیچے پہرے صائب بک کھڑا ہے۔ نادر خانے پر دھڑ دھڑ صائب بک کے سر کو نشانہ بنایا۔ مگر صائب بک کا گھوڑا اچھے بہت پکا تھا بال بال بچ گیا۔ ادھر صائب بک کے پیش میں آگ پستوں کی کوئی سے نادر خانہ کو زمین پر گر دیا۔ اور قریب جا کر ایک ہی جا اور اس کا قتل حیات قطع کر دیا۔

مسجد کے محافظین اور مدنی تقدس پر فدا ہونے والے ترک اپنے افسر کی حالت دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسیحوں نے چاہا مسیحی اقصیٰ کی فیصلیت پر پانی پھر کر وہاں کے استیاد پر اپنا تصرف کر دیں۔ مگر صائب بک کے منع کر دینے سے انکا احرام اور فیصلیت بدستور قائم

مسیحیوں کے قدم مسجد کے اندر نہ جاسکے۔

اس وقت مسجد اقصیٰ کے وسیع میدان میں بجز شور و بکا اور آہ و زاری کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ آفتاب غروب ہو گیا تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میدان مصافحہ میں مردوں کے شانوں کو ہلاتی ہوئی چاروں طرف بہ رہی تھی مگر وہ کچھ ایسے شرط بد کر سوئے ہیں کہ جانے کی قسم کھا چکے ہیں۔ اس عالم تیرہ و تار میں ایک دو شیرہ چھٹی ہوئی ادھر ادھر ٹھوم رہی ہے۔ ہر ایک مرد کا منہ دیکھتی پھرتی ہے۔ ہائے اُس سے کسی دشمن نے کہہ دیا ہے تیرا شوہر افراس جنگ میں مارا گیا ہے اس کے چشم چشمہ سارے آنسوؤں کا دریا جاری ہے جو کسی طرح بند نہیں ہوتا۔ اُس کا دشمن کون ہے۔ کس نے انتقام جنگ برائے کرے کی جھوٹی خبر اور اڑادی۔ خدا جانے وہ کون ایسا قسمی انقلاب ہے جس نے اس گلفام نازنین کے نازک گلے پر ایسا گہرا چرکا دیا کہ وہ بیتاب ہو کر میدان جنگ میں آئی اور مردوں کے انہار میں اپنے جاننا زعاشق کی تلاش تلاش کرے لگی۔ انجام یہ ہوا کہ زخمی کو تری کی طرح ایک مردے کی میت بدتر بڑی اور بیوش ہو گئی۔ جب آٹھ کھلی بیتاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی ادھر ادھر ٹھونسنے لگی۔ گلابی رخساروں پر اشک بہ رہے ہیں۔ کھلے ہوئے بال ہبتالی چہرے پر بھرے ہوئے ہیں کبھی آسمان سے مخاطب ہوتی ہے۔ اے آسمانی فرشتے تو نے دیکھا ہو تو بتاؤ رام کی نقشب کمان پڑی ہے۔ حمید اُسے سینے سے لگا ایک بار دل بھر کے روئے گی۔ اور پھر تو دیکھ لیکھا حمید بھی دنیا سے کوچ کر جائے گی اور اپنے دلبر کے پاس قبر میں چین سوئے گی۔

اتنے میں دو مسیحی رحمت کے سوار وہاں آئے۔ بیکس و بد نصیب ہرنی صیاد کے چہچہے میں بڑ گئی۔ ناتر مس اور بے مروت سوار وہاں تھے اس غریبے حال پر مطلق رحم نہ لکھایا اور نہ اُس کے دلی گرفت کو مار سکے۔ اس بیکس لڑکی کو گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے کیمپ کی جانب گھوڑے ڈال دیے۔ راستہ بھر بد نصیب لڑکی روتی پھلتی رہی مگر ادھر کچھ توجہ نہ

پتھر کا تھا کیونکر ترس لھاتا۔

باب ۱۵ پندرھواں

وسیع و کشادہ میدان میں ایک غمخیز کے اندر صائب بک کا مرشد ترک بیٹھا ہوا مسجد اقصیٰ کے ایک مجاور سے ہمکلام ہے۔

ترک - (صائب بک کا مرشد) قاضی صاحب! آپ کا نام کیا ہے۔

جی اور - مسجد اقصیٰ کا مجاور ہوں - خریستو نام ہے۔ آپ کو ان ملک و ملت کے دشمنوں کے ساتھ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہے۔ آپ ان کے یہاں کیونکر آئے۔

مرشد - آپ کیا کہوں - افسوس! میں خود اپنی خواہش سے ان کے ساتھ نہیں آیا۔ بلکہ کسی مجبوری سے آنا پڑا ہے۔

خریستو - شاید آپ گرفتار کر لیے گئے ہوں۔

مرشد - جی - گرفتار تو نہیں ہوا بلکہ اپنی خوشی سے چلا آیا ہوں۔ صائب بک بادشاہ کا نام سنا ہوگا۔ یہ مسیحی لشکر کا کرنل ہے۔ کسی وقت اسے مجھ سے دینی مسائل یاد کیے تھے۔

خریستو - آپ میں اسلام کے سچے معتقد - توحید کے قائل اور وہ عیسائی غیر مشرک تبلیغ کا پیرو - اوسنے دینی مسائل کیسے یاد کیے۔

مرشد - دراصل وہ عیسائی نسل سے نہیں ایک معزز ترک کا لڑکا تھا مدت تک وہ ہمارے زیر تعلیم رہا۔ اسیلے ہمیں اپنا مرشد گردانتا ہے۔

خریستو - ہائین کیا وہ مسلمان تھا اب عیسائی ہو گیا۔

مرشد - یہ تو بہت بڑا قصہ ہے۔ کہا شک کہو گا صرف اس قدر کہہ کے تھا رات شک وضع کیے دیتا ہوں۔ تم جانتے نہیں میں ان لوگوں کے ساتھ کس لیے آیا۔ آج کئی سال ہوئے میں جگ کرنے گیا تھا۔ اتفاق سے وہاں میری لڑکی گم ہو گئی۔ میں اسی کے تلاش میں چند شاگردوں کے ساتھ ادھر آگیا۔

صائب بک ملاقات ہو گئی اپنے ساتھ لے آیا۔ اور اطمینان دلا دیا

تھاری لڑکی کا سراخ لگاؤ لگا۔ اسی سے ساتھ چلا آیا۔

خرسیتو۔ آپ کی دفتر کا نام کیا ہے۔

ہرشد۔ حمیدہ۔

خرسیتو۔ عمر کتنی ہوگی۔

ہرشد۔ اگر زندہ ہوتی تو اس وقت چودہ سال کی ہوتی۔

خرسیتو۔ مسجد اقصیٰ کے مجاور علی یوسف مین اون کے یہاں حمیدہ نام کی

ایک دفتر رہتی ہے۔ اداس کی زبانی معلوم ہوا اسکا مکان اناطولیہ مین ہے۔

آج کوئی چار پانچ برس سے وہ ان کے یہاں رہتی ہے وہ کہتی تھی میرے ماں باپ

رج کرے گئے تھے راستے مین بدرون لے آئین لوٹ لیا وہ چھوڑے تھے مجھے

کین جلدیے مین۔ علی یوسف کے بہنوئی نادرا آغا بھی حمیدہ کو جانتے تھے۔

ان سے پورا پتہ لے سکتا تھا۔ افسوس وہ اس جنگ مین کام آگے۔

ہرشد۔ قاضی جی! اگر حمیدہ نام ہے تو میری ہی لڑکی ہے۔ کیا آپ نے اُسے

دیکھا ہے۔

خرسیتو۔ ہاں جناب! بار بار دیکھنے کا اتفاق رہا ہے۔ بڑی قبول صورت

لڑکی ہے۔

ہرشد۔ میرا دل بول رہا ہے وہ میری ہی نور نظر ہے۔ گر مین بد قسمت ہوں

امید نہیں میرا گم شدہ بچل میرے ہاتھ آجائے۔ قاضی صاحب! تکلیف ہوگی

اسی وقت چلے دیکھیں تو سہی۔ خدا کرے میری حمیدہ ہی ہو۔

خرسیتو۔ پھر اٹھیں نہیں اور نہ کسی قسم کی فکر کو پاس آئے دین۔ علی یوسف

اور ادنیٰ بیوی نے اپنی اولاد کی طرح اداس کی داشت کی ہے۔

ہرشد۔ خدا انکا بھلا کرے۔ لیکن قاضی جی! میرا مقدر اس قابل نہیں کہ

میری آواز دیکھ لے۔ سب جانتے ہی مین مسیحی لوگ مسلمانوں کے بچے دشمن

ہیں۔ جنگ کا اختتام ہو گیا ہے۔ نہ یارت گا ہوں اور پاک مسجد دن کو بڑا

مسیح نے خوب لوٹا ہوگا تعجب نہیں میری دفتر حمیدہ پر کسی ظالم کا ہاتھ صاف

ہوا ہے۔

خرستقو۔ آپ مطہرین رہیں۔ مسجدین اور خیمہ دار تگاہین بدستور قائم ہیں ان کے احترام میں فرق نہیں آنے پایا اور نہ مسیحیوں کے قدم اون میں جاسکے۔ نہ وہاں باشندوں پر کسی نے جبر کیا اور خالص کر عورتوں پر کسی حالت میں تشدد روا نہیں رکھا گیا۔ مسیحیوں کی طرف سے ایک شخص ڈھول پیٹا جانا تھا رعیت پر کسی طرح کا جبر نہ ہوگا اور نہ ان کے بال بچوں اور عورتوں پر کوئی بے رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا۔

مرشد۔ اسے بھی شانِ خدا سمجھنا چاہیے۔

اتنے میں ایک لمغاری سپاہی نے خیمہ کے دروازے پر آواز دی۔ پیر مرشد۔

مرشد۔ کون ہے۔ کیا غرض ہے۔

سپاہی۔ جناب افسر صاحب آپ کو سلام دیا ہے

مرشد۔ کیا میری طلبی ہے۔

سپاہی۔ جی ہاں! اسوقت حضورِ سخت بیمار ہیں کسی بدبخت نے

ان کے شانے پر برہمی ماری تھی۔ ابھی تک خون بند نہیں ہوا ہے۔ آپ

کچھ استفسار کرنا ہے اسی سے آپ کو یاد کیا ہے۔

مرشد۔ کیا بات ہے یحییٰ کچھ معلوم ہے۔

سپاہی۔ بات کوئی نہیں۔ صرف کل علی الصبح چند سوارِ بخاری شانہ دار

کی تلاش میں جانے والے ہیں۔ اسی واسطے شاید آپ کچھ استفسار کریں۔

یا تو آپ اور سکاٹلیہ بتادیں یا خود سواروں کے ہمراہ جائیں۔

مرشد۔ (خرستقو کی طرف نگاہ اٹھا کر) معلوم ہوتا ہے ہمارے حال پر خدا کی

رحمت نازل ہوئے والی ہے۔ اچھے دن آئے ہیں آپ جب تک آرام کیجئے

میں اُن سے ملکر ابھی آتا ہوں۔

یہ کہہ کر ترکِ شے سے باہر نکلا اور صاحبِ بک کوئل کے ڈیرے پر قبائلی

کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے چل دیے۔

باب سوطوان

رات کے وقت - عالم تیروتا - میں نے نیکو کچھ اور دلفاری سپاہی بیٹھے ہوتے
 باتیں کر رہے ہیں -

ایک - کسی چچا چچے نے یہ کام اچھا نہیں کیا - اگر یہ بھی بہتری چاہتے ہوتے
 اس پرست - یہاں دھوٹا بٹاؤ -

دوسرا - کیوں ہمارے صاف کمرے - ایسا شکار نہیں چھوڑ سکتا ہے -
 پرست بڑے - اسی دن کے محل میں اسی فوجیوں نے بیٹھ کر کھانے کئے -

پہلا - میں جانتا ہوں لیکن انہی کو دیکھ کر صاف گھبراہٹ ہو گئی - اگرچہ ہوا ہے ان کا
 حکم ہے جو دروازے سے باہر نکالے گا - بلاتالی بجائی پر چوڑا دیا جائیگا -

شکسی - یہ حکم کتنا بھاری ہوا -
 آج کا روز ہوسے حکم جاری ہو چکا ہے - آپ سنا ہوگا ایک

نیکو کچھ اور دلفاری سپاہی - ہم آ رہے تھے - معلوم ہوتا ہے اسی نے ولد اور اس کے
 دماغ کو کچھ بڑھایا ہے - کئی بڑی سانس بڑھائی - ہزاروں آدمیوں کا منت و

فون ہوا - اگرچہ کچھ دلی قیمت پر چھوڑ دیا گیا - کچھ ایسی دستیاب ہوئی
 اس سے کچھ دلی ہوئی -

دلفاری سپاہی - میں جناب - مجھے تو یہ باتیں نا پسند ہیں - میری جان اس روز
 پر کھڑی ہے - کچھ جو میں اسے چھوڑ نہیں سکتا -

شکسی - آپ کو اختیار ہے جو چاہتے ہیں - گرا ختم ہے چچا چچا چچا
 شکیلی - آپ کوئی - دوں ہنگامہ ختم ہو گیا ہے - صاحب کب پاشا ہوئے

اس عورت کی خبر ہو چکی ہے - جس وقت کہیں کے قیامت اٹھ کھڑی ہوگی
 جہاں سفاقت رہے گی وہاں ہی رہیں گی - میری رائے میں یہ عورت

کوئی صاحب کے ہونے پر پیش کر دیا ہے -
 بلاتالی - اس بات کو میں بھی مانتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میں اسے

چھوڑ نہیں سکتا۔ تم جانتے نہیں۔ یہ لیدی خود ہی بچھڑ مرتی ہے۔ ہکا بھٹا یہ ہے کہ جب میں اس وستان کو گھوڑے پر سوار کر کے لایا تھا راستے بھر وہ مجھے لٹکھیلوں سے گھورتی رہی۔ اب تو خدا کے فضل سے سالونیک کو جنگ بھی ختم ہو گئی۔ کل کچھ نہ کچھ انعام ملے گا۔ مسیح چاہے گا تو اس عورت کو کرنل سے انعام ملے صلے میں ایک لونگا۔
شمسی۔ بہتر ہے۔ اس رائے کی میں تائید کرتا ہوں۔ کرنل صاحب خاد صلے میں دیدین تو کوئی عیب نہیں ہے۔ مگر آج تو کسی صورت سے اپنی جان بچاؤ۔

بلغاری۔ جان کیونکر بچ سکتی ہے۔ اس کے واسطے تو کوئی بات طویلیجی جنگ میں مرجانے کا خوف نہیں۔ البتہ سولی پر چڑھنے سے دل تھراتا ہے جب میں صدر بھائیک پر بندہ آڑا تھا۔ بخدا اسٹاسٹالون کو سنگین سے چھید کر رکھ دیا تھا۔ وہ تڑپ رہے تھے اور میں کھٹ کھٹ مڑب مڑب بے رہا تھا۔

شمسی۔ فیہ سنو۔ ایک کام کرو۔ کل کی لڑائی میں ایک ترک قید کیا گیا مگر بہت ہی شجاع۔ جنگ میں اُسکے ہاتھ کی صفائی دیکھ کر کرنل صاحب بہت ہی خوش ہوئے اسی سے کرنل صاحب نے اُسے جلاؤن کے سپرد نہیں کیا۔ سنتا ہوں کل علی صبیح چانسی پر لٹکا دیا جائے گا جس جیسے میں وہ ہے اسی میں اس عورت کو بھی ڈال دو۔

بلغاری۔ اگر کوئی بوجھ بیچھڑ تو جواب کیا دے۔
شمسی۔ کہہ دیجئے اسکی عورت ہے۔ خود بخود وہ پاں لگی۔
بلغاری۔ اچھی بات ہے۔ یہ بھی خدا کے کارخانے ہیں۔ مگر خبردار رہنا عقبت کوئی فتورادھڑکھڑا ہوا۔ تو مفت کا الزام میرے سر بھی ہوگا۔
یہ کہہ کر آستے ایک سرخ آہ بھینچی۔

جس جگہ یہ شور ہو رہا تھا۔ وہیں ہر عالم بترہ و تار میں ایک نو فیز دوشین کوئی ہند رہ برس کا بن زمین پر بیہوش پڑی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ

سائنس چل رہی ہے۔ دو شیر کے بے حس و حرکت جسم کو اٹھا کر وہ دونوں تلنگے
وہاں سے روانہ ہوئے۔

باب سترھواں

قید خانہ
ناظرین جس عالم تیرہ و تار میں زیرِ نقل کچھ رکھ رکھے ہوئے اُن دو تلنگوں کی باتیں
سن رہے تھے اُس سے بھی زیادہ ہندوکان میں چلے اور یہاں کی تاریکی ملاحظہ
فرمائیے۔ دیکھیے کس غضب کا اندھیرا ہے۔ آٹھ بند کیجیے اندھیرا آنکھ کھولے
اندھیرا۔ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ البتہ ٹھنڈی ٹھنڈی سائنس لینے کی آواز بھی
کبھی سُنانی دے جاتی ہے۔ اسی مکان کے اندر ہمارا بہادر دوست رافض
قید کیا گیا ہے۔ اُس کے بائیں پیرسی خون سے لت پت اور کی تلوار رکھی
ہوئی ہے۔ دنیا کی مادی چیزوں سے اسے نفرت سی ہوتی جاتی ہے۔ مگر
گلابِ حمید کا خیال اس وقت بھی سدا بانِ روح ہو رہا ہے۔ اتنے میں کسی کے
پاؤں کی آہستہ سُنانی دی۔ رافض بھیا۔ جلا دیا ہے۔ ولی کو مضبوط کر مرنے
کے لیے مستعد ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد دو شخصوں میں باتیں کرنے کی آواز محسوس ہوئی۔ رافض خور میں
پرہیز کیا۔ یہ دونوں کون ہیں۔ کس لیے یہاں آئے۔ درحقیقت یہ لوگ جلا دہن
نہ اس طرح چوری سے کیوں آئے۔ میں قیدی ہوں مجھ سے پردہ رکھنے کی ضرورت
ہی کیا ہے۔

اتنے میں ان آئے ہوؤں کے پاؤں کی آواز بہت سی قریب سُنانی دی
اور اندھیرے میں کچھ سایہ بھی نظر آیا۔ معلوم ہوا وہ دونوں شخص کوئی تیز رک کے
چلے گئے۔ اس کیفیت سے رافض کی پریشان خاطر بیڑھ گئی وہ اس فکر میں پڑ گیا
آخر یہ دو دن کیسے گزر گئے ہیں۔

رافض نے سوچا کہ جب زیادہ بڑھی اٹھ بیٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر ٹوٹنے لگا۔ جب
اُسے ہاتھ میں ایک نئے محسوس ہوئی اور اس کا قلب دھڑکنے لگا۔ قون خشک

ہو گیا۔ اُسے معلوم ہو کسی مرد سے کاہنڈا پڑا ہوا ہے۔ اتنے میں ٹھنڈی ٹھنڈی سانس کی ہوا حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ بالین یہ کیا۔ یہ تو کوئی زندہ شخص ہے تم کون ہو۔ کیا تم بھی مجھ پر نفسیہ کی طرح دشمنوں کے آزار میں پھنس گئے۔ رافز کے لیون سے ابھی فقرے کل ہی رہے تھے کہ اُس مردہ شکل کا با سے اک آہ نکلی اور آہ کے ساتھ کب بند ہو گئے۔

رافز نے پھر سوچا۔ تم کوئی کیون نہ ہو۔ بخاری حالت دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ کو فتنہ اسلام و مصیبت کی طرح تم بھی کسی بیدار میں پڑ گئے ہو۔ اس ناریک خانے میں تم اور ہم ایک ہی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس بے اسوقت ہم تم دونوں دوست ہیں اگر کچھ اطمینان ہو تو اپنا پتہ دو۔ کون ہو۔ اور کیوں اس قید خانہ میں ڈالے گئے۔

اس مرتبہ بھی اس مردہ بزرگ سے کوئی جواب نہ نکلا۔ رافز کا دل جلدی لگا طرح طرح فکر و آلام کی گھٹائیں اور بھی چاروں طرف محیط ہو گئیں۔ ایک طرف تو ٹرکی پر تباہی آنے کی فکر اور دوسری طرف اپنی طرح اس نو گرفتار مصیبت کے خیال نے اور بھی تشویر مارنا شروع کیے۔ اس نے مسجد اقصیٰ کا احترام اور اسلامی اخوت قائم رکھنے کا جو عہد کیا تھا وہ بھی فضول ثابت ہوا۔ آمادی مشرکوں نے گئی۔ خیر قوم کا طوق غلامی گئے ہیں۔ اسنا پڑا۔ ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اسلامی انجمن کے سہزوں کی سرکشی کامر نہ خستہ کی۔ پیار کی حمید داتم کہاں ہو میری زندگی سے ایسی ہو جاؤ۔ میری حیات کی امید منقطع کر دو۔

یہ ایک ایسا خیال تھا جس سے اس نظر دار اور بڑھائی۔ اُن کا بیٹن کی بار جاتی رہتی جرات اس قدر تھی جو جرات تھی۔ اس وقت وہ شہر کا ایک حالت میں تھا۔ دلی پیچیدگیوں پر وہ بھی نہیں مگر زبان سے نکلتا نہ تھا۔ ڈھائی بیڑا سے جا چلی ہوگی۔ سننا نا سمجھا ہوا ہے۔ نام و نشان تیر کے مرنے سے رہی ہے۔ مگر رافز اسی طرح کو بھڑکی میں بیٹھا ہے۔ اُسے وہاں دو دوسرے قیدی کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

راجہ راجہ جیور اور دلی شکستہ کو تہنا چھوڑ کر چلے دھالہ۔ راجہ کو اس فقرے سے
 اور بھی تعجب نہیں ڈال دیا۔ یہ تو برا تو بھائی ہوئی ہے۔ یہ تو کوئی عورت بول رہی ہو
 اس قید خانہ میں کسی میرے دوست یا جان والے کا دل دیا۔ اس قید خانے میں راجہ کو
 کیسے پکارا۔ سو اسے سمجھنے کے اور کون اس پر دیکھو۔ اتنی شرم نہ لگتا ہے۔
 کون سا ایسی حالت ہے کہ سو بھاسکتا ہے۔ یہاں حیدرہ کہاں۔ حیدرہ اپنے مکان
 میں ہوئی۔ جگہ شکستہ ہوا۔ شگھہ ہا چین کرتے تھے۔ یہ فدا آئیے تو یہ غفل
 پیدا ہو گیا۔ بسے کیا ہر دفعہ تھا۔ "راجہ شگھہ تھا چھوڑ کر چلے نہ جانا لگا ہوا
 شگھہ قسم بہادر اذیر کے لیے اس تنگ و تاریک جگہ کو اپنے چین سے منور کر دے
 راجہ کو کہ۔ "بھائی نہ کر اس پیار سے پیار سے گلے سے لے لے۔" اس وقت
 راجہ کی عجیب حالت ہے۔ طبیعت کا انتشار ہے کہ آج تک جو اس کو پریشان
 کر رہا ہے۔ اور رنج و غم ہے کہ اس کے دل کو دونوں ہاتھوں سے کوئی
 سہل کر رہے ہیں۔

دیر تک انھیں خیال نہ تھا کہ یہاں پہلے یہاں شکستہ کو اس کو نہ آگئی تھی
 لیکن اب آگے بند ہوئی۔ شرم نہ لگتا۔ وہ نفس میں نہ گیا ہے۔ یہ تو
 چلتی ہوئی تلوار سر پر تاج رہی ہے اور سودا کی جوتی کی طرح عمیقہ ہاتھ
 ہوئے جوتی کی خوشامد کر رہی ہے۔ خدا اس کی جان چھوڑ دے اور اس کے
 باوجود میں میرا سر کاٹ دو۔

اس وقت افواہ اب اسے آگے لکھی گئی۔ دیکھا سو پورا سو گئے۔ مجھ سے
 میں اچھا لایا ہوا ہے۔ ایک گوشے میں جھڑپٹ رہی ہے۔
 دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو پانی سرسبز۔
 اٹھارہ بیسے لگا۔ کسی کی آنکھوں میں پانی نہیں۔ کسی کی آنکھوں میں
 نہ زبان پر کوئی لفظ ہے۔

راجہ ایک شوق کے عالم میں اٹھا اور حیدرہ کو ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا
 اٹھارہ لاکھ روپے یا جان یہ اتنا دیکھا تھا۔ "بھائی ہوئے شوق سے اس کو
 بنے قابو کر کے ایک دوسرے سے ٹکادیا۔

حمیدہ!

حمیدہ عذرات اور رنج و غم اٹھائے اٹھائے بالکل خفیت ہو گئی تھی نہ اوس کا پہلا
مشرق رنگ رہا تھا اور نہ وہ اٹلی سی چہرے کی شادابی باقی تھی مگر اس وقت رامز کی
مشکل دیکھ کر اوس کے چہرے پر سپید بیلر کے بیٹے کسی قدر غم نے گلابی سرخی کی
ایک تہ بندی۔ اس وقت موجودہ غم نے اپنی اپنی اسطاعت حرکت سے اس کے
پہلو میں بیٹھے والے دل کو آہستہ آہستہ گدگدایا اور زبان کو گویا کیا یہ
اوس کے منہ سے نکلا۔

رامز اتر کمان۔

اس کے بعد پھر کوئی فطرت نہ نکلا۔

اتنے میں دو مسلح تیلے اُس جہرے میں آئے اور رامز کی طرف دیکھ کر بولے
چلیے بہت بچھڑ چکے۔ ان بوی کی محبت جھوڑیے۔ وقت بالکل تمام ہو گیا۔
رامز آواز نہ کھڑا ہوا حمیدہ سے مخاطب ہو کر بولا۔

حمیدہ! بہت سی باتیں کرنا چھین۔ انہیں پھر نہ کہہ سکا۔ میری زندگی کا آخری
پیام ہے ایک بات باری بھر کے دیکھو۔ مگر پیاری صبر کرنا پھرانا نہیں۔ انشاء اللہ
حشر کے دن پھر ملو گا۔ اب چلتا ہوں۔ حمیدہ کا بے قابو دل بھلا کب تاب
نہ سکا تھا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پیارے رامز میری دھم
سے تڑپت بہتے ہمیشہ ان الفاظ میں۔ تمھاری حمیدہ کی بھی یہی کیفیت ہے
بہت سی زبانوں کی بھی شاید یہ آخری باتیں ہیں۔ خدا نخواستہ تمھاری جان پر
کچھ اندیشہ بھی تو حمیدہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ بھی تمھاری طرح قبر کا کو نہ
جسائے گی۔

یہ لہکراؤ۔ تہا ہا رامز کے پاؤں پر ٹپکا۔ یکبار اوس کے ہاتھ پاؤں تھوڑے
سارے بدن میں ایک بے قاعدہ جنبش ہوئی اور وہ دھم سے زمین پر
گر پڑا۔

باب اٹھارھواں

واقعات

صبح کا وقت ہے۔ آنتا بس کی کڑن ہر چہ پہ سنبھال کر پھر رہی ہیں، جیسے وہاں
تالاب کی صاف اور چمکدار مومین نسیم سحر کے چکروں سے اپنے ہانی کی روانی
دکھاتی ہوئی پھر رہی ہیں۔ فوجی سپاہیوں کا شور سرسبز میدان میں گونج رہا ہے۔
ایک دریا کے کنارے دیر آڈا سے سرگروہ لشکر صاحب بابا پاشا کرسی پر
بیٹھا ہوا ہے۔ فوجی جلا دقیدی کے آئے کی راہ دیکھ رہا ہے صاحب بابا کی
جسمانی حالت بہت کمزور ہو گئی ہے۔ نادر آغا کے خونخواری برہنہ کا رخصت ہونے
شانے پر تھا ابھی اچھا نہیں ہوا۔ خون کی روانی میں کمی نہیں ہوتی۔ اس کمزوری
کی حالت میں بھی کسی قیدی کا فیصلہ کرنے کی نیت سے کسی بہ آگے بڑھ گیا ہے۔
ابھی تک قیدی نہیں آیا اسی انتشار میں دین منہ نہ گذر گئے۔
یہ ایک اس مقام سے کچھ فاصلے پر کچھ غوغا ہوئے لگا۔ جوتی جوتی سپاہی
جمع ہو گئے۔ ایک کسب دوشیزہ لڑکی کی آہ دیکھنے پر سب جھپٹ اڑ پڑے۔
بڑے افسروں کو جو نکال دیا ہے۔ نیلے کشان کشتان قیدی رافز کو بے آ رہے
ہیں۔ اور حمیدہ کے لبوں سے شدت گریہ میں یہ فقرے نکل رہے ہیں۔
ہائے میں ایسی سخت جان اور بے حیا زندگی کی بھون۔ ہائے کھٹ مٹ بھی
نہیں پوچھتی۔ پیار سے رافز کھٹ تنہا چھوڑے ہوئے کہاں۔ چلے جاتے ہو۔ وہ
بے اختیاری کے ساتھ دودی اور رافز کے قدموں پر ٹھوکر لگا کے لپٹی۔
کرنل صاحب بابا کے حکم سے کسی میں حال نہیں جو اس دوشیزہ کے ہاتھ لگا کے
دوشیزہ اپنے نازک ہاتھوں سے رافز کے پانوں پر کھڑے ہوئے۔ جو بیڑی
کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ دُنیا میں کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اپنی طاقت سے
اس بیڑی کو توڑ سکتا ہو۔ ایسا پھر کون کون سا ہے۔ ہر آن غمزدگی کی حالت
پر رونہ دیتا ہو۔ رافز کی آنکھوں سے اس وقت آگ کی جگاریاں نکل رہی ہیں
اد کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو ان تلگوں سے سمجھ لیتا یا تو جان دیدیتا یا امید کو

سہ سہاوت پر مدین میں ٹھہر جانا۔

میں مقام پر یہ خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تھا اور یہ جو شراب میں قلب و ہوا کے
مکڑے کے لیے تیار تھا اس پر سے کچھ فائدہ ہو گا جس کی وجہ سے اس کا
اپنے خیمے میں بیٹھ کر رہے گا۔ عید کی تلاش کی جائے تو یہ کون
کی جائے۔

کرل صاحب ایک کی اور دوسرے کی صلیب کے ہر وقت ہر روز میں رہتے ہیں
حیدر کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس کے لیے پھر رہے ہیں۔

ایک تلے نے پوچھا۔ پچھلے سال اس نے نام سے آگاہ کریں۔ کاش صاحبزادی
لی گئیں اور انہوں نے اس کا نام پوچھا اس وقت کیا جواب دیا۔

مرشد۔ پچھلے سال اس نے باپ کا بتایا۔ اور جب ان کی زیادہ اصرار سے تو
میرا نام لے دینا۔ اگر دینا اور ان کے سر پر کے باب بقیہ کا خاکہ میراث کا
میں ہوں۔

اسے میں حیدر کے بیٹے کے لیے اور ان کے والدین میں پوچھی۔ اس
پر وہ جواب دے کر اسے اس شخص کے لیے دل پر چڑھائی تو فرشتہ سے

بیٹھا گیا اور اس کے اوپر فرشتے ہوئے۔ حیدر کے والدین میں سے ہر ایک میں
سویکھت ہو گیا اس پر وہی میری۔ وہ طبیعت پر اس کے اپنے نہ بیٹھے واسے

دل کو تمام تر اس آواز کی طرف سے نکلی۔ وہ میری والدین کے لیے تھے۔
"مولا میری پاس کوئی نہ آتا۔ تمہارے والدین میں۔" اسے تم کو

دیکھ کر دیکھا۔

اس جان خواہش سے فرشتے سے رفق ہو کر کے والدین کو یہ خبر دانی کہ وہ
ایک منظر کی طرف سے پہلے پہلے قدم پر لے کر رہے تھے۔ اس کے لیے یہ

ہو گیا۔ اس کے پاس آیا اور بولا۔

قاضی میری والدین اسے جو شخص تیار کیا ہے اس کے لیے یہ ہے۔ اس کے لیے یہ ہے۔

اس کے لیے یہ ہے۔ وہ میری والدین کے لیے یہ ہے۔ اس کے لیے یہ ہے۔

میں نے میری والدین کے لیے یہ ہے۔ اس کے لیے یہ ہے۔

رفیق محمد کو جواب دینے کی بھی طاقت نہ تھی۔ دولین پاؤں کا پھنس گئے۔ شرابی کی طرح
لڑکھڑاتے ہوئے، ننگے کے ساتھ ساتھ جب نفلوہ کے پاس پہنچے پھر وہی فقرہ
ان کے دل کے پرچے لڑ گیا۔ نفلوہ اب رہی تھی۔

”اول میری کڑی غم کرنا۔ پھر قیدی بننا۔ پھر جلا نا۔ میرا کوئی روتے والا نہیں
نہان میں نہ باپ۔ مجھے ہانک کر دینے سے کسی کی کچھ فرانی نہوگی اور نہ نقصان
ہی ہوگا۔“

رفیق محمد تنگے کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے سکتے کے عالم میں چپ کھٹ چپ
کھٹ۔ دل اندر سے بول رہا ہے یہ آواز بچوان ہووے اور فقرہ بھی کیسا دردناک ہے
اب اُسے برا لگیا۔ بیکراری سے جلا اُٹھے۔

”کون رو رہا ہے بیٹی! کیا تو پھر بد قسمت کی آنکھوں کی تار حمیدہ ہے۔“
یہ جلد آج چار باغی سال کے بعد حمیدہ کے قانون میں پہنچا ہے۔ اس وقت
اوسے ابا جان کی طرح بیٹی کو کہہ کر کہنے لگا۔ ”عجب کی نظر سے ابا حمیدہ سے
رفیق محمد کی طرف سے لکھا۔ پھر بلیا اُٹھی اور یہ نہتی پہنچی ایتنا مجھے بچاؤ ہے تماشا
دوڑی اور اسے ہانپتے بیٹھے گئی۔ علی بوسنت جی اور جی رفیق محمد کے نیچے بیٹھے
چلا آیا تھا کچھ حیرت اور کچھ خوشی کے اسٹیج پر بکھرا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اوس میں بھی
اس پر اضطرار سین کے دیکھنے کی تاب نہ رہی بول اُٹھا۔

قاضی صاحب! کیا حمیدہ آپ کی صاحبزادی ہیں۔ میری حمیدہ بھی یہی ہے۔
حمیدہ تو یہاں کیوں گئی۔

حمیدہ کو جواب دینے کی طاقت نہ تھی۔ آج کتنے دنوں کے بعد اوسے
اپنے باپ کی آغوش محبت میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ آج کتنے روز کے
بعد اوسے، رات بھر کے روتے کا موقع ملا ہے۔

ادھر تلگوں نے رات کو کچھ کچھ کر کے تل صاحب کے پاس خطر اکرو دیا۔

باب ۱۹ انیسواں

کرنل صاحب بک کے رو برو قیدی لایا گیا۔ کرنل صاحب دیر تک اس قیدی کی صورت عین نظر سے گھورتے رہے۔ کوئی خلقی جوش سینے سے داغ تک اثر کر گیا ہے۔ دل بیتاب ہو کر سینے سے نکلا پڑتا ہے جگر خون ہو کر آنکھوں کی راہ سے بہنے کو طیار ہے۔ حسرت اور تنہا الگ ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں چاہتے ہیں ایک بار اس قیدی سے چٹ جائے۔ بدقت ان آنکھوں کو دیا اور پوچھا۔

”بہادر قیدی! تمہارا چہرہ مہر و دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے تمہارا وطن ایران نہیں ہے۔ شاید اناطولیا کے باشندے ہو۔ حیرت ہے غیر کفون میں آکر جان دینے پر تیار گئے۔“

قیدی۔ (راہز) جہان اسلام کا دشمن بن کر رہا ہو۔ جہان دینداروں کا مسکن ہو۔ جہان تبرک زیارت گاہ بن ہو۔ جہان صحابہ کرام کے مقدس مزار ہو۔ جہان ایک سچے مسلمان کا وطن ہے۔ مسلمان دینی اخوت کے قائل ہیں اپنے برادران سے ہمدردی و اخلاص اور کاشیوہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا اپنی قومی سطوت و جہد قائم رکھنا فرض ہے۔ قومی حریت و آزادی پر بانی پھیرنے کا نام اسلام نہیں ہے۔ میں مسلمان ہو کر یوں کر بندگان خدا کا ساتھ نہ دیتا۔ کیا اپنی قوم کی عظمت مٹا دینا۔ مجھے دین فروش بننا گوارا نہ تھا۔ بلکہ دین پرست ہو کر اسلام کے نام پر تصدق ہو جانا چاہتا تھا۔

صاحب باب۔ موت کا سامنا دیکھ کر کیا تمہیں اس وقت خوف معلوم ہوتا ہے۔

راہز۔ جی نہیں۔ موت سے ڈنا کیا معنی۔ فرشتہ اجل ہر وقت تاک میں ہے جب چاہے دینی امانت لے۔ یہ آپ کی غلطی ہے جو ایسا خیال کرتے ہیں۔

صائب بک - ہاں میری غلطی ہو سکتی ہے - اچھا یہ بتاؤ تمہاری ولادت کس خاندان میں ہوئی -

راہز - میں اس بزرگوار قوم کے فرزندان رشیدین سے ہوں جسے حق کی حمایت اور باطل کی تہمتی کے لیے تلوار زبان سے نکالی گئی -

صائب بک - کیا تم مذاہب و مذاہب کو جانتے ہو کیا شے ہیں -

راہز - ان جھگڑوں سے مجھے واسطہ نہیں اور یہ غیر مسلم کے سامنے ان کا ذکر کرنا چاہتا ہوں نہ -

صائب بک - کیا تم غیر مسلم کو حقارت سے دیکھتے ہو -

راہز - ہمارا مذہب تو حیر کا قائل ہے وہ شرک کو نہیں مانتا اور غیر مسلم شرک کے پیرو میں اس لیے ہم اُسے جدا رہنا چاہتے ہیں -

صائب بک - اگر تمہارا کوئی بھائی اسلام سے تارک ہو گیا ہو تو اس سے بھی نفرت کرو گے -

اتنا کہہ کر خدا جانے کس خیال سے کوئی صائب بک اپنے چہرے پر خیال دکھایا - راہز کو رفتہ رفتہ پتا آتا تھا کہ یہ آئینوں وہ نہایت غور اور حیا کے

صائب بک کو دیکھتے لگا -

کچھ منٹ عالم غیر میں کھڑے کھڑے ہٹ گئے - اس نے میں مردارِ حیات نے پیشانی سے روٹی پٹالیا - حاشہ میں کی نگاہیں حیرت و استعجاب میں ڈوبی ہوئی تھیں

صائب بک کا منہ دیکھتے لگیں - رنسا روئے پر آئینوں کے تریبے جاری ہیں آنکھیں سرخ ہو گئیں - کیا ایک دن کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور راہز کی جانب درخون ہاتھ بھٹا کر لیا -

راہز - غیر مسلم اقوام سے جو اس قدر نفرت ہے اُسے مجھ دیر کے لیے بھول جاؤ اور مجھ میں باتوں کی طرف توجہ نہ دو - تمہارا ایک بھائی تھا اوس بخت کی یاد کو

بھرا رہا تو بت باز نہ رہا - بخت چھین میدان جنگ میں دیکھا ہے اس وقت سے بس شلوک کا دریا سینے میں موجزن ہے - تمہارا جنگ میں حصہ لینا زیادہ تر

میری بدگمانیوں کا سبب تھا - آج وہ شلوک زائل ہو گئے - پیارے بھائی!

حاکمِ مفلحیت میں جس بھائی کے ساتھ نصیبِ محبت تھی جس بھائی سے تمہارا جویش
 بڑھ جاتا تھا۔ ہر وقت جسکے ساتھ رہتے تھے۔ جو تمہارا ہم سفر و ہم سفر تھا جسکے
 ساتھ کھاتے بیٹے اور سونے بچے آج وہی تمہارا حقیقی بھائی ہے دین ہو کر ہی
 دوسری ہی دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ زمین اسلامی جذبات نہیں رہے۔ اس کے
 دل سے دینی تقدس ہٹ گیا۔ وہ کفر کا رقوم ہے۔ وہ اپنے بھائیوں کا دشمن
 ہو رہا ہے۔ تم سمجھتے ہو گے اسی کی وجہ سے مسلمانوں میں شورش مچی ہوئی ہے
 اسی نے ہمارے قومی ریشے کو توڑ دیا ہے۔ اسی نے سلطنتِ عثمانیہ میں
 تفرقہ ڈال دیا۔ ان سب فساد کا موجب کون ہے۔ زمین ہوں۔ وہ میری وجہ سے
 اسلامی دنیا میں فساد مچ گیا۔ زمین فورش ہوں۔ قوم کی پہلی پلید کرنے والا میر
 سوانہ مائے زمین کوئی نہ ہوگا۔ بلکہ آج بھائی ایسا رہنے سے چھٹ جاؤ۔ ہر وقت
 ہماری تمہاری رگوں میں ہاشمی خون گردش کر رہا ہے۔ تم مسلمان ہو۔ زمین
 عیسائی اس کی کچھ پروا نہ کرو۔ عیسائی مسلمان و کفر نہ کرے جس کے ہر قدم
 کی اولاد دونوں میں پھر کا ہے کافر۔ مالامال زمین پر رہتے ہو گئے یا بندہ صوم صلوٰۃ
 نہیں رہا۔ جتنے وہ قوم بن گیا۔ گمراہی و گمراہی کے خدایات عبور کر رہے ہیں
 والدین کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ میں پیار سے دیر نہ کرو
 پاس آؤ نہیں کیلئے سے لگاؤں۔

کوئل صاحب کی باتوں سے راضی نہ دلِ پاش پاش ہو گیا۔ اس کی نظر
 آسمان کے بچے اور شمس زمین کچھ ایسی رہو گی جیسا کہ گویا راضی دنیا میں ہی
 نہیں کسی اور طبق کی سیر کر رہا ہے۔ اوستہ آنکھ کو لکڑی کھجے قابو دل کو
 سنبھالا۔ کیا یہ وہی زمین کا ساغلیں میرا حقیقی بھائی ہے جو ہر وقت مجھے
 چھاتی سے لگا رہا تھا۔ نامزد و رشاک صاحب باب کے بشرے اور
 اسکے چشم دار کو دیکھ کر ہوا اور میری امیدوں کے ساتھ اس کے لبوں کی حر
 کہ بغیر دیکھتا رہا۔ صاحب کبک کی محبت اور پائے کان میں پڑنا
 تھیں کہ راضی و محبت میں ہو گیا۔ اپنے بھائی کی محبت و شکل۔ مزاج۔ پائے
 اخلاق۔ طرز گفتگو وغیرہ جملہ باتیں موجود ہیں۔ دل سے جو پردہ ہٹا دیا

ایک بار ہٹ کیا بیٹے جوش سے بگارا۔ بھائی صاحب
 اتنا کہنا تھا کہ دونوں کی آنکھوں سے مسرت و شادمانی کے آنسو ٹپک رہے
 دونوں نے اپنے سامعی کی کشتی ساحل مراد پور پہنچی دیکھی۔ دونوں کا تیر نظر
 صورتوں سے گذر کر سیرتوں تک پہنچ گیا۔ دونوں ہمارے کچھ دیر ایک دوسرے
 کی جانب دیکھتے اور روئے رہے۔ کچھ دیر بعد رافرنے والی جوش کو روکا کہ
 آواز دی۔

برادر دنوازا اچھے خواب میں بھی یہ امید جمی تھی کہ اس زندگی کا ماحول آج
 مل جائیگا اپنے پیارے بھائی کی صورت دیکھ کر سو گنگا۔ زبے طالع زبے بخت
 آپ ایسے حسن بھائی کی زیارت ہو گئی۔ لیکن آج یہ کیا کہ شمع پیش طبیعت
 ایک بھی خواہ قوم کے جسم پر عیسائیوں کا لباس ایک دین پرست مسلمان
 غیر مسلم کا تالوار۔

صاحب ایک۔ رافرنے پر قسمت کا عجیب چکر ہے۔ فوشہ تقدر پر صحت
 نہیں سکتا۔ ہم دونوں ایک والدہ کے شکست پیدا ہوئے۔ میں قوم تشریف اور
 خاندان کا نام لوئے والا اور تم قوم پرست خاندانی اعزاز قائم رکھنے والے
 تم میں روحانیت اور الہیات کے لطیف اور پاک مباحث کے سمجھنے کا ذوق
 ادھر اور رہن بھارے خیال میں ایک سب سے راستے سے مادیات کی جانب
 تحت اشرے کو چلا۔ واقعی میں نے فطرت جمل میں گرفتار ہو کر انسان کی
 شرافت اور روح کی پوری قوت کا صحیح اندازہ کرنے کی قابلیت ہی ضائع
 کر دی۔ جان برادر! تم شیدائے وطن ہو کر اپنے وطن کے سہوت ہوئے اور
 قوم کی حقوت کا غارتگر دینی اخلاق و عبادات کا توڑ پھوڑ والا نکلا۔ قدر سب
 نے بے مروتی کے ضمیر سے میرا جسم بڑا ہے۔ پھر جو ہونا تھا ہوا۔ شریفی کوئی
 نہیں۔ گو میں دین و دین اور قوم کش ہوں۔ پھر بھی ایک ہی خاندان کے
 تحت جگر ہیں۔ مجھ سے نفرت نہ کرو۔ مجھ کو بڑی بخت کا سینہ چاک کر کے
 دیکھو۔ کس قدر نفرت کس قدر عینت اور کس قدر جوش بھر ہوا ہے۔
 رافرنے۔ بھائی صاحب! رافرنے سے آپ کا غم گہرا ہے۔

یہ کہہ کر رام کا گھا بھر آیا۔ بچپن میں جس طریق سے دوڑ کر دونوں شانوں سے
چمٹ جاتا تھا اسی طرح بے تحاشہ دوڑ لگا کر نل صاحبہ کے قدموں
لیٹ گیا۔ فوج کے تینکے سپاہی بہوت ہو گئے۔ جلاد کی تلوار ہاتھ سے
گھیری۔ لوگ بھائی بھائی کے بل جاتے گاتا شہرت اور استعجاب کی
نظروں سے دیکھنے لگے۔

اسی وقت حمیدہ کو ساتھ یہ بولے کر نل صاحبہ کے مرشد رفیق محمد
گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ میں منتشر و پریشان ایک گوشے میں آ کے
کھٹ ہو رہے۔ دیکھا دونوں بھائی محبت کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں
انھیں کب تاب تھی۔ بیتاب ہو کے دوڑے دونوں کو گلے سے لگایا۔ اور
کہا آج نکل مراد ہوا آج کا شانہ دلیمن شمع آرزو روشن ہوئی۔ دیدہ دلیمن
بصیرت کی عنیا بھوٹ نکلی۔ اقدیر سے بڑے کارخانے ہیں۔ مجھے اختیار ہے
جو چاہے کر۔

اپنے مرشد کی آواز سن کے کر نل بہادر رافضی کے گلے سے علاحدہ ہو کر
مرشد کے قدموں پر ٹوٹے لگا اور بولا۔

کہ میرے مرشد! میں نے اپنے دین کی وقعت کچھ نہ سمجھی۔ گھر بھونک تا شا
دیکھا۔ جناب آج مجھے کھرایا ہوا مل لگیا۔ آج اپنے بھائی کے دیوار سے
آگلیں شلو جو ہیں۔ اسی بھائی کے لیے میں منہ منہ پستاناں۔ نوحہ ہو جاتا
اور خون ہلکے خاموش ہو رہتا تھا۔ ہمارے تو کل مراد بھلا ہوا المرید
غیر دین کسی ایک کی ہے اس کا حسب نسب کیا ہے۔ کس بار کا بیول ہے
کس پشت میں کی شمع ہے۔ کس کان کی زینت ہے۔

مرشد بھی میرا کھوٹا ہوا چہرہ ہے۔ اس کی تلاش میں مرشدین ہر تار ہوا
نیلا رہ گیا۔ اس کے فراق میں روئے سے تیری آنکھیں سج گئیں
میں نے آج سے آج کے مدت سے دیکھا نہیں کہ تیرے پاپا توں تھکے کے ہمراہ
آئے تھے۔ میری دھڑکنے لگی۔
صاحب بیک۔ حمیدہ کہاں تھیں۔ کیا مجھے تم پہچان سکتی ہو۔

یہ کہہ کے کرنل صاحب بکٹے اپنے ہاتھ کی انگلی اوتا کر حمیدہ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ حمیدہ تعجب کے ساتھ صاحب بک کے چہرے کو غور دیکھنے لگی۔ کچھ دیر شادمانی و بخت کی ہوا چلتی رہی ہر طرف سے تحسین آفتون اور مبارک سلامت کے نعروں کی بوجھار ہونے لگی۔ چونکہ کرنل صاحب بک کے شانے کا زخم آٹھ تھارے تک کھڑے رہنے سے زخم بھر آیا۔ خون نہ نکلا۔ زبردستی زیادہ بڑھ گئی۔ کھڑا رہنا محال ہوا۔ پاس کھڑے ہوئے آدمیوں نے لہجہ اکر اٹھیں اٹھایا لیا اور غیمہ مین لے آئے۔ صاحب بک کی خواہش سے مرشد رفیق محمد۔ رامز اور بدیشہ حمیدہ کو ساتھ لے کر ان کے پیچھے بچھے آئے۔

باب بیسواں

تمام لشکر مین پیر پھیل گئی سردار چغت کمرل صاحب بک بستر مرگ پر پڑے ہوئے کچھ دن کے مہمان نظر آتے ہیں۔ زخم بہت گہرا ہو گیا ہے۔ دن کسی طرح بند نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے ڈاکٹر ساج مین سی کی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ رامز اور مرشد رفیق حمیدہ کو غصے مین چھوڑ کر کرنل صاحب کو دیکھنے گئے۔ کرنل صاحب کی بہت زبوں ہوا رہی تھی آنکھیں بند تھیں۔ رستے پر سیاہی دوزی ہوئی۔ کپٹان بیچھی ہو مین۔ ان علامتوں سے اہر ہو تا تھا کہ کرنل صاحب کا چراغ زندگی منقریب بادقت سے موش ہوئے والا ہے۔ رامز نے آواز دی۔

بھائی صاحب! بڑا جیسا ہے؟

صاحب بک نے آنکھیں کھولیں۔ رامز کی صورت دیکھا کیے۔ ہنس

میت بستر تہ ہو رہا ہے۔ بہت ہی دوسری آواز سے بوجھا۔
 بھیا۔ آؤ۔ میرے سینے سے چپٹ جاؤ۔ میری شام تیرے کی ختم ہو چکی ہے
 دیر ہے۔ دیکھ اسکا خواہد بین ہی خیال نہ تھا کہ تم قوم آخر میرے

کہتر مرگ کے قریب کھڑے ہو جاؤ گے۔ بھائی کچھ دیر کا ہمارا ہوں! جنت کا فائدہ
بٹ رہا ہے۔ دنیا سے رخصت کا وقت قریب آ گیا۔

راہز کے حلقہ چشم سے اشک غم ٹپکنے لگا۔ آہ سرد بھر کر جواب دیا۔

قبلہ! اس بد نصیب کی قسمت پر تعجب ہے۔ اس کی زندگی پر زون و
آب کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ کون ترکیب کر دے کسی طرح آپکا گلہ میات
مُرجا سے نہ پاس۔

صائب بک۔ نہیں بھائی جہاں تکلیف مجھے کوئی نہیں صرف تمہارا
خیال بیش نظر ہے۔ آہ۔ میں نے اپنے بھائی کی کچھ بھی داشت نہ کی۔

نعم ہے تو یہاں سے کہ میری تمام آرزو میں حسرتیں کمال حیدر دی سے برگشتہ
ہو گئیں ہیں۔ دنیا میں میرا ٹھکانہ نہیں سفر آخرت پر گھر چکا ہوں۔ بس میرا
آخری سلام قبول ہو۔

رفیق محمد۔ سنا جزا دے! خدا سے وعدہ لا شریک کو یاد کرو۔ رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک کلمہ زبانی سے نکالو۔ وہی تحقیق نجات دلاؤ گا۔
اور ایک بات یہ کہ اچھی حالت میں کچھ طہارت نہ چاہیے۔ راہز کی
فکر نہ کرو۔ اسکا انجام بہتر ہی ہوگا۔

صائب بک۔ رفیق محمد! یہ گناہ واپس آؤ اور آہستہ آہستہ دلوں ہاتھ اٹھا کر
سلام کیا اور باریک آوار میں گرا۔

”مجھے زندگی کی پروا نہیں ہے۔ اور نہ میں اچھا ہونا چاہتا ہوں۔
قبلہ! میں تمہارے کسی طرح مرغ دل اس نفس جسم سے نکل جائے مجھ
زیادہ تر خوشی اس بات کی ہے کہ اپنے پیارے بھائی کو دیکھ سکوں۔
آپ کا یہ خوش ہو گئیں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔“

ابن حیدر کا کہنا سنا کہ میں بھی رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ سن کر صائب بک کی سیلابی گوری
نہایت ہلچل مچا کر رونے لگا۔

محمد رفیق۔ پیارے صائب بک! اگر تم عیسائی ہو جاتے خدا جانے کون سے
کام تمہاری بندوبست کرتے۔ خیر! قلمیت کا لکھا ہوا پورا ہوا اب

تھاری حالت دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہے۔ خیر۔ بن دل سے دعا دیتا ہوں۔ کہ
رب العالمین تھاری مغفرت کرے۔

صائب ایک۔ جناب سے ایک التماس ہے۔ آج میں نے ایک پیامبر کے
ہاتھ نور زبرجین کے نام ایک خط بھیجا ہے۔ مجھے امید ہے جبروتِ راضی اللہ میں نے
ہمت بڑی قدر ہوگی اور بہت کچھ بل رہیگا۔ میں نے لکھ دیا ہے جس قدر میری جائداد
روپیہ پیسہ ہے۔ میرے بچھوٹے بھائی راضی کے سپرد کر دی جائے اور دوسری دھڑا
آپسے ہے کہ حمید خواہر کی شادی اگر خلافت طبع نو تو میرے بھائی راضی کے ساتھ
کر دی جائے۔

رفیق محمد۔ اس معاملہ میں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی آرزو
پوری ہوگی۔

صائب ایک۔ بڑی خوشی کی بات ہے حمید کا عقد راضی سے ہوگا۔
افسوس یہ حسرت اپنے دل میں بے جاتا ہوں۔ کیا کروں خدا کو منظور ہی نہیں۔
(راضی کی جانب نگاہ اٹھا کر) تم کو ایک وصیت کرتا ہوں۔ برٹش حکومت
کے ساتھ خبردار کسی طرح کی بے عزتیاں یا جھگڑا نہ کرنا۔ سلطنت عثمانیہ کا
رورٹ چکا ہے۔ ترکی میں اب کچھ بھی دم خم باقی نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو اسلامی
حکومت کا بول بالا ہو۔ یہ غیر ممکن ہے۔ عیسائی سلطنتوں نے باہم مشورہ کر لیا ہے
دنیا میں سوائے دلی یورپ کے دوسری قوم میں حکومت کرنے کا مادہ نہیں۔
وہ پولشکل۔ سیاسی۔ اور تمدنی کے روح رواں ہیں۔ وہ حکومت کے فعل کو
نہایت مستعدی سے انجام دے رہے ہیں۔ ان میں قومیت متحور کی طاقت
کا عملی اعتراف ہے اور یہ وہ شے ہے کہ جب ایک دفعہ پیدا ہو جائے تو پھر
کوئی طاقت اس کے نشوونما کو نہیں روک سکتی۔ قانونی مجالس اور قانونی کونسلوں
کے انعقاد کے لیے پارلیمنٹری تجربہ کی ضرورت لگادی ہے اور اس سے حق انتخاب
کی طرف ایک مقبول قدم بڑھ رہا ہے تعلیم اور صنعت کے میدان میں بے حد
ترقی ہو رہی ہے۔ ان باتوں کے دیکھتے ہو گویا کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر کہ اس قدر
سلطنتوں میں استحکام ہے وہ غارت ہو سکتی ہے۔ اور اسلامی حکومت

پھر ان کے ہوتے ہوئے حکومت کا تقارہ پیٹ سکتی ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک بات اور بھی تو ہے۔

اتنا کہ اگر سردار جماعت نے کروٹ بدلی۔ خدمتگار نیکے سے ہوا اپنے لگا نام نہ سمجھا اب وقت واپسین ہے۔ گھبرا کر پوچھا۔ فرمائیے آپ اور کیا کیا جانتے تھے۔

صائب پاک۔ (بہت ہی باریک آواز میں) بھائی اب سلطنت عثمانیہ میں طاقت نہیں۔ قسطنطنیہ کی حکومت برقرار رکھنا بہت مشکل امر ہے کیا کہیں زیادہ بولنے کی طاقت نہیں۔ میں نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیدیا ہے۔ گورنر جرحیس آہلکار بغداد میں ہیں۔ میں جانتا ہوں وہاں بھی بہت بڑی خونریزی ہوئی اور تعجب نہیں بغداد برلش حکومت سے نکل جائے۔ تم ترکوں کے گورنر کمال پاشا۔ انور بے وغیرہ سے ملو۔ وہ بہت دور اندیش ہیں جہاں تک ہوگا تمھارے فطرتی اور قدرتی حقوق کو یا مالی سے بچائیں گے۔ یہاں بس قدر فوج ہمارے ہمراہ ہے تم اسکو اپنی نگرانی میں رکھو تاوقتیکہ کوئی دوسرا حکم نہ آوے یہاں کی حکومت تمھارے ماتھے میں دیتا ہوں۔

راہز۔ آئیے عظیم! آپ کا ارشاد سب سے پیش نظر ہے مگر اس حکم کے باوجود مجھ سے نہیں نہیں میں عیسائیوں کے لشکر کی کیا ان اپنے ماتھے میں نہیں لے سکتا۔ میں قومی کام کا پیرہ اٹھا چکا ہوں۔ اسلام کی حریت قائم رکھنے کے لیے اپنی جان تقدیر کو دینا منظور ہے۔ آزادی کی وہ نعمت جس پر سلطنت برطانیہ کو ناز ہے ترکوں کو بھی اس سے بہرہ یاب کیا جائے مگر یہ ہوتے دکھائی نہیں دیتا اور اس کے لیے ضرور کشت خون ہوگا۔ گورنر کی طاقت توڑ دی گئی ہے مگر دنیا بھر کے مسلمانوں میں قومی جذبات بھڑک اٹھیں تو تعجب نہیں۔

صاحب جگہ۔ میں سمجھ گیا۔ تمھارا دل۔ جگر۔ جسم۔ جان جو کچھ ہے قوم کے لیے وقف ہے۔ اچھا اس باب میں اب کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ طاقت سلب ہوئی جاتی ہے۔ دم رکھتا ہے۔ سانس بھی جواب دے رہی ہے۔ صاحب ایک بات کہنے کی طاقت زائل ہو گئی۔ زخم سے خون کی آواز

ہنے ملی۔ بجایک ہندو خندہ برٹیا۔ حساب بک دینا میں نہیں۔ مٹی بڑی ہوتی
 ہے۔ روح جسد خاکی سے نکال کر خدا جانے کدھر چلے گی۔ رامز دوسے لگا۔ رفیق محمد
 مرشد بیچر۔ کوئی اور دیکھ کر عزیزین کی اشکباری سے تمام خیمہ گونج اٹھا۔ دوسرے
 دن کوئی یہ بھڑن چڑھے میت اٹھائی گئی اور وہیں قریب ہی کسی قبرستان میں
 دفن کر دی گئی۔

باب اکیسواں

شادی

سعید بک پاشا اتحادیوں کے قیدی میں پھنس کر جلا وطن ہو گئے۔ رامز اور
 حمیدہ کو ساتھ لے کر رفیق محمد اپنے اناطولیہ آئے۔ حمیدہ اپنی ماں اور اپنی بہن
 سے ملی۔ حمیدہ کو دیکھ کر زہرہ اپنے باپ کی یاد دہانی کی۔
 ایک دن زہرہ نے بہن حمیدہ کے کان میں کہا۔ تم نے دیکھا جو میں نے کہا تھا
 وہی ہوا۔ حمیدہ نے مسکرا کر اسکا جواب دیا۔ ہاں خدا کی قسم ایسی تھی۔
 دو ہفتہ بعد رفیق محمد نے ترک و اقصام کے ساتھ حمیدہ اور رامز کی شادی
 کر دی۔ گل و بلبل کی بکھالی ہو گئی۔ اور دونوں عین اڑا سنے لگے۔ اور تمنا قفسہ
 بھی ختم ہو گیا۔

ولچسپ ناول

سیلاب خون اعلیٰ درجہ کی ہولناک داستان - کمپنی اور
 اہل ہند کی کشمکش - آرکان کمپنی کے جدید قوانین جنہیں سے بعض ہندوستانیوں
 کے جذبات کے مخالفت تھے اور جس کے باعث ہندوستانی فوج میں
 جہت ان پر ابھو گیا۔ میکیر نامی فرسیدی عیار کا انگریز بلگر انگریز فوج میں داخل
 ہونا اور فوج پاکر انگریزوں کے خلاف ملک میں بغاوت پھیلانا۔ ناناراؤ
 اور ناتھاپاٹھی کا انگریزوں سے برسرِ جنگ ہونا۔ دیگر ہندوستانی درسا
 کا ملک کی حمایت میں لڑنا۔ باقر خان سردار کا خفیہ انسکیپی پر تقریر اور اسکی
 حیرت انگیز عیار بیان۔ میکیر کی چالبازیان۔ خفیہ اور اور پانسیون کے جوڑ توڑ
 خفیہ دشمنی کے عجیب و غریب کارنامے۔ مسٹر گارڈن کی لڑکی ہیلنا اور
 میکیر کے عشق کی داستان۔ ہیلنا کا قتل۔ عبدل نامی باغی کی عیاری خفیہ
 پولیس کا قتل۔ باقر خان کی گرفتاری اندر فرار۔ باغیوں کا قلع قمع۔ قیمت پیر
 محاصرہ پیرس اقیقہ جرمن کی بولشیکل چالیں۔ اور انکا جواب اتحادیوں
 کی طرف سے۔ غنیمت پر محصور رہنے کے جان توڑ حملے۔ ہندوستانی افواج کی مدد
 اور اہل فرانس کی گواہی۔ جنگ یورپ کے حیرت انگیز حالات۔ جدید آلات
 جنگ کا استعمال۔ پیرس کی تباہی۔ تاریخ کی تاریخ قفقہ کا قفقہ۔ ایکسپین
 مجبورہ کا جذبہ وطن پرستی۔ اور اس کے نتائج بہت ہی دل آویز پیرامین

قیمت ۱۲/-

بھٹو
 صدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ

مجموعہ کلام مظہری

جناب مولانا مولوی شفیع احمد صاحب مظہری۔ ایم اے علیگ کی قومی۔ اخلاقی اور سیاسی نظریوں کا قابل قدر مجموعہ اگر شاہ عربی سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو باقی قسم میں بے نظیر ہیں۔ ایک ایک کتاب کی صورت میں چھپی ہوئی رنگین۔ وغیرہ ٹائٹل سے مزین۔ ہر سہ کی کھجانی قیمت ۶/

اجتماع ضحیٰ

جناب ارشد تھانوی کے قلم سے ایک اخلاقی ناول جس کا پلاٹ بہت دلچسپ ہونے کے علاوہ جذباتی فطرت سے معمور ہے۔ عشق کی لگاؤ میں اور حسن کی فصول ساز بیان عجیب و غریب انداز میں الفاظ شیریں و شیریں کا اثر رکھتے۔ کتاب کی ہر ہر سطر کچھ نہ کچھ دل آویزی رکھتی ہے اور ہر جلد میں کوئی نہ کوئی نیا نیا خیالی تراش خراش ہے۔ یہ فسانہ اخلاقی معاشرت کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اتحاد و خیال مرد و عورت کی آئینہ خوش حال زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے لیکن والدین اکثر اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور غریب و دھلا وہ جن تمام عمر بد عزگی سے گذارتے ہیں۔ شکایت کرنے سے پیشتر اگر اس کتاب پر نظر ڈال لی جائے تو یقیناً پڑھنے والے نفع میں رہے گی۔

کیا لفظ زبان اور کیا لفظ خیالات کتاب ہر طرح قابل قدر ہے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور ٹائٹل وغیرہ قیمت ۶/

حجاج بن یوسف

جرحی نہ بیان ڈیٹر الملل مہر کے ایک معرکہ الآرنا ناول کا ترجمہ جس میں خلیفہ عبدالملک کی پالیسی حجاج بن یوسف کے مظالم حجاج اور عبداللہ ابن زبیر کا معرکہ۔ کعبہ کا محاصرہ۔ عبداللہ ابن زبیر کی شہادت۔ خلافت کے مدعی اور اس کے جوڑ توڑ۔ حسن نامی ایک نوجوان کا عرب کی ایک مشہور لڑکی پر عاشق ہونا۔ اور اس عشق کی بدولت خطرات میں مبتلا ہونا۔ ہجر و وصال کے ذکر سے۔ رزم و بزم کے سین۔ دلچسپ انداز اور سلیس عبارت میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی

چھاپہ۔ مصطفیٰ بکدو امین پکھا و سنھو